قد افلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ العرفان منارہ ضلع چکوال

اداریہ

محرم الحرام ۱۴۰۷ھ کا شمارہ آپ کے سامنے ہے۔ اس شمارہ کے ساتھ "المرشد" نے اپنی زندگی کے ساتویں برس میں قدم رکھا ہے

گذشتہ چھ برسوں میں "المرشد" نے جس قدر رنگ بکھیرے اور فیضانِ رسالتؐ کو طالبین تک پہنچانے میں جس قدر محنت کی یہ سب ربِّ کریم کی کرم نوازی ہے اور قارئین سب اس کارِ خیر میں برابر کے شریک ہیں۔ "المرشد" اپنی قسم کا واحد مجلّہ ہے جو سالکانِ طریقت کی پیاس بجھانے کا اہتمام کر رہا ہے اور خالص تحریری مجوزہ بات پیش کرنا اس کی خصوصیت ہے احباب حلقہ سے گذارش ہے کہ اس کی خریداری کا اہتمام کیا کریں اور اپنا سالانہ چندہ بروقت ناظم اعلیٰ کو بھجوا دیا کریں۔

اسلام کا سال تو قربانی سے شروع ہو کر قربانی ہی پہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ابھی ذی الحجہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی دیتے ہوئے دکھایا کہ چاند پھر ایک انوکھی قربانی کی یاد تازہ کر گیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو عرض کیا۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ

اے اللہ! اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں مجھے اپنی راہ پہ شہادت نصیب فرما۔ عرض کیا گیا۔ امیر المومنین یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی یہاں آ کر آپؓ کو شہید کر سکے؟

فرمایا — اللہ قادر ہے جسے جو درجہ عطا کرنا چاہے خود اسباب پیدا فرما دیتا ہے اللہ رے شانِ قبولیت کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتل مبارک تھا اور جس زمین نے برسوں شرفِ قدمبوسی حاصل کیا تھا وہیں اسلام کا یہ بطلِ جلیل خاک و خون میں لوٹ گیا اور دُنیا کا عظیم ترین فاتح موت کو شکست دے کر حیاتِ دوام سے سرفراز ہُوا

پھر دفعتاً نگاہ بجانب کربلا اُٹھ جاتی ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ سورج اپنی حدِ سفر طے کر چکا ہے اور سربسجود مغرب کو ڈھل رہا ہے — گرد کے بادل ہیں اور گھوڑوں کا شور — پکڑو دوڑو کی آوازیں اور تلواروں کے ٹکرانے کی جھنکار ایک ہیبت ناک منظر پیش کر رہی ہے کہ شور تھم گیا — گرد کم ہوئی تو نظر آیا کہ نواسۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقِ عبودیت ادا کر رہے ہیں — مگر یہ کیا — بدن بغیر سر کے —؟ اللہ اللہ یہ کس کی گردن تھی یہ کون تھا جو کبھی مدینۃ الرسولؐ کی گلیوں میں دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ سوار پھرا کرتا تھا یہ وہی گردن تھی جس پہ نبیؐ کے بوسے ثبت تھے — یہ وہی سر تھا جو آغوشِ بتولؓ میں جھولا کرتا تھا — یہ کیوں کٹ گیا — نہ صرف ایک سر یہاں خانوادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سترہ اٹھارہ پھول کچھ ادھ کھلے اور کچھ کلیاں بھی حقِ شہادت ادا کر گئیں اور اتنی بڑی قیمت صرف ایک بات کی ادا کر دی — آپ بھی جانتے ہیں وہ بات کیا تھی اور میں بھی جانتا ہوں لیکن آؤ مِل کر دُہرائیں ——

بات یہ تھی کہ ”اطاعت صرف اس شخص کی کی جائے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اطاعت گذار ہوگا اور بس“ سو یہ سبق تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لیئے ثبت ہو گیا اور اس بات کو ثابت کرنے کے لیئے جو قیمت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ادا کی پوری تاریخ میں کوئی نہ کر سکا اگرچہ لاکھوں کیا لاتعداد مسلمان اسی بات کو زندہ رکھنے کے لیئے شہید ہوئے اور ہوتے رہیں گے مگر کسی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلنے والا کوئی مبارک وجود نہیں — اگر سب کی شہادتیں مثالی ہیں تو حسینؓ کی شہادت بے مثال ہے۔

مگر صد افسوس کہ مسلمان آج پھر غفلت کا شکار ہو کر ان امور میں مبتلا ہے جن کو مٹانے کے لیئے یہ عظیم قربانی پیش کی گئی — فضولیات و خواہشات نے اسے گھیر رکھا ہے

اگر غور کرے تو جان لے گا کہ اس کی زندگی کس قدر سنتِ نبویؐ کی پابند ہے

اے کاش یہ خونِ حسینؓ کو ہنگاموں کی نظر نہ کرتا اور اس سے درسِ شہادت لیتا

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ محرم کی آمد پر انتظامیہ کو چوکس ہونا پڑتا ہے کہ شہروں میں فسادات نہ ہوں — شور و شر نہ ہو اور بے گناہ شہری مارے نہ جائیں — کیا یہی ہے درسِ شہادت؟

لوگو! اپنا ظرف وسیع کرو۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنا سیکھو اور اگر کوئی غلطی کرتا ہے تو ہمدردی سے اسے سمجھاؤ اور اللہ کے سپرد کردو کہ کسی کو حق حاصل نہیں کہ اپنے عقائد دوسروں پہ مسلط کرے۔ اے کاش تمام مکاتبِ فکر کو صرف اس بات کا پابند کر دیا جاتا کہ ہر مکتبِ فکر کے لوگ اپنی عبادت اپنے معبدمیں کریں تو مسلمان بہت سی مشکلات سے بچ جاتے اور حق بھی یہ ہے کہ عبادات کو معابد میں ادا کیا جانا چاہیے ہاں یہ بات کہنا ضروری جانتا ہوں کہ افغان مجاہد سے خونِ حسینؓ کی خوشبو آتی ہے جو واقعی ایک بہت بڑے ظالم کے سامنے محض اللہ کے لیئے اللہ کے دین کی حفاظت کیلئے سینہ سپر ہے اللہ اس کی قربانی قبول فرمائے اور تمام مسلمانانِ عالم کو ہدایت پہ جمع فرمائے۔ آمین

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

سرپرستِ اعلیٰ

باتیں اُنکی خوشبو خوشبو

فرمایا — کفر اسلام کی وادی بہت گہری وادی ہے۔ اسمیں وہ آدمی قدم رکھے جسکو بہت مہارت حاصل ہو، کسی آدمی کو اسلام سے خارج کردینا بہت بڑی بات ہے۔ کوشش کے ساتھ پوری تحقیق کرے آجکل یہ بڑا ظلم ہے کہ جو آدمی اردو کا قاعدہ پڑھا ہو وہ فتوائے کفر کے دیتا ہے۔

فرمایا — کوئی چیز متقدمین نے نہیں چھوڑی۔ تمام عقائد قلمبند ہو گئے۔ معاملات قلمبند ہوگئے — عبادات قلمبند ہوگئیں۔ علوم جتنے تھے وہ قلمبند ہوگئے عبادات قلمبند ہوگئیں۔ علوم، اخلاقیات، معجزات، کرامات تمام بیع شرعی وغیرہ نکاح طلاق تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں قلمبند ہوگئیں ہیں، آج اُٹھ کر کے کوئی نیا عقیدہ دوسرا بیان کرے جو ہمکو پہلے لوگوں سے نہیں ملتا وہ ہم کیوں مانیں وہ کہتے ہیں میں قرآن اچھا سمجھتا ہوں تو جو دولاکھ سے زیادہ تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ غلط لکھ گئے ہیں آج کہاں سے۔ جھوٹ بولنے والا۔ حرام کھانے والا متکبر کہتا ہے کہ میں قرآن کو اچھا سمجھتا ہوں

فرمایا — ہم نے سلف صالحین کو نہیں چھوڑنا۔ کوئی کتنا شور کرے کوئی بڑا بنے یا چھوٹا بنے۔ ہم نے سلف صالحین کا راستہ لینا ہے کہ وہ متقدمین کیا لکھ کر گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان سے صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم اور حدیث سیکھی ہے

فرمایا — ہر مولوی کے پاس کم از یہ چار تفاسیر

ضرور ہوں ، ۱ ـــ روح المعانی

۲ ـــ تفسیرِ کبیر

۳ ـــ ابنِ کثیر

۴ ـــ ابو سعود

یہ کوئی چیز نہیں چھوڑتے۔ فرمایا۔ ابن کثیر بہت بہترین تفسیر ہے۔ ابو سعود جو ہے یہ "کشاف" کا خلاصہ ہے۔

فرمایا ـــ جو شخص اپنے آپکو اہلسنّت والجماعت میں شمار کرتا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ اس مسلک کے ان محقق علمائے متقدمین کی تحقیق کے خلاف نہ جائے جنہوں نے قرآن وسنّت کے مطالعہ میں اور استنباطِ مسائل میں عمریں صرف کر دیں اور ورع وتقویٰ اور اعتصام بالکتاب والسنۃ میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ ـــ

تنگ بر ما رہگذارِ دیں شدہ
ہر لئیمے رازدارِ دیں شدہ

فرمایا ـــ قرآن مجید میں وارد ہے کہ وقت قبض روح سے لے کر برزخ میں اور قیامت میں میت کو دنیا کے واقعات کا علم ہوتا ہے اور گھٹتا ہے۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ اُٹھاتے وقت نیک کہتا ہے قدمونی اور بد کہتا ہے این یذھبون بھا اور لسانِ قال سے کہتا ہے۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہنچاتا ہے اور جو اُٹھا کر چلتے ہیں ان کو پہچانتا ہے

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ جو آدمی کفن پہنا رہے ہوتے ہیں میت انکو پہچانتا ہے۔ جو قبر میں اُتارتا ہے اس کو پہچانتا ہے۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ میت پاؤں کی آہٹ کو سنتا ہے۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ قبر کے پاس جو میت کو سلام کہے وہ سنتا ہے۔ جواب دیتا ہے واقف کو پہچانتا ہے۔ مانوس ہوتا ہے۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ سوال وجواب کے بعد ایک مؤمن کہتا ہے مجھے اجازت دو کہ اہل وعیال کو اس کامیابی کی بشارت دوں۔

فرمایا ـــ حدیث میں وارد ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

نے کفار قلیب بدر کو نام بنام پکارنے کے بعد رب کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ مردے تم زندوں سے اچھا سنتے ہیں۔

فرمایا ——— امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سورہ کہف کے شروع میں صدیق اکبرؓ کی کرامت بیان فرمائی ہے۔

اما ابوبکر فمن کرامته لما حمل جنازته الی باب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونودی السلام علیک یا رسول اللہ هذا ابوبکر بالباب فاذا الباب قد انفتح فاذا بهاتف یهتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب

بہرحال حضرت ابوبکرؓ کی کرامت میں سے ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھا کر روضہ اطہرؐ کے دروازے کے سامنے رکھا گیا آواز دی گئی السلام علیک یا رسول اللہؐ یہ ابوبکرؓ در اقدس پر حاضر ہے۔ اچانک دروازہ کھل گیا اور قبر رسولؐ سے آواز آئی دوست کو دوست کے ہاں داخل کرو۔

فائدہ ——— الافضل بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ ہے خیال کرو کیا کوئی صحابی رہ گیا ہوگا — ہزاروں کی تعداد میں ہونگے — ان سب کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔ کیا وہ دیوانے تھے کہ روضۂ اطہرؐ کے دروازے پر صدیق اکبرؓ کو رکھ کر اندر دفن کرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں ——— دروازہ خود کیوں کھلا ——— رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود کھلوایا اور خود قبر سے آواز دی کہ میرے حبیب کو میرے پاس اندر لاؤ ——— ظاہر ہے کہ سماع موتی کا کا عقیدہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

المرشد
روحانی تربیت کا
عمدہ ذریعہ ہے
اسے خود پڑھیے
اپنے عزیز واقارب
کو پڑھائیے
اپنے دوستوں
کو پڑھائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار التنزیل

خطبہ جمعۃ المبارک شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم صاحب دامت برکاتہم لنگر مخدوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

رحمانیت

اللہ جل شانہٗ کی رحمت وسیع تر ہے حتیٰ کہ خود ارشادِ باری ہے اِنّ رحمتی وسعت کل شیٔ اور اس رحمت عامہ کے دو شعبے ہیں ایک شعبہ ربوبیت ہے جو خود اپنے اندر اتنی وسعت رکھتا ہے جو صرف اور صرف ذاتِ باری کو ہی زیبا ہے۔ یہ شعبہ جو ہے اسے قرآن کریم کی اصطلاح میں رحمانیت کہا گیا ہے۔ عربی میں فعلان کے وزن پر جو الفاظ آتے ہیں ان میں اگرچہ شدت تو پائی جاتی ہے لیکن وہ محدود وقت کیلئے اور وقتی اوصاف ہوتے ہیں جیسے غضبان عطشان بہت زیادہ پیاسا بہت زیادہ غصے میں لیکن وہ کیفیات اپنے اندر دوام نہیں رکھتیں — اسی طرح اسی وزن

پر رحمان بھی ہے ۔ یہ رحمتِ باری کا وہ شعبہ ہے جو اس عالم کے وجود کا سبب ہے اور ظاہر ہے کہ رحمت تو ختم نہیں ہو گی لیکن یہ عالم ختم ہو جائے گا ۔ تو پھر وہ شعبہ اور اس کا کام وہ نہیں رہے گا ۔

رحیمیت

اور رحیم دوسرا شعبہ ہے ۔ اس میں ابدیت اور دوام پایا جاتا ہے جیسے حکیم ۔ یہ اس وزن پر ہے تو کسی کا حکیم ہونا لمحاتی بات نہیں یہ علی الدوام صفت ہوتی ہے ـــــ سو یہ شعبہ ربوبیت جو ہے یہ اتنا وسیع تر ہے کہ ہر وضع کو وجود بخشنا ۔ پھر اس میں خصوصیت کا پیدا کرنا پھر اس کی بقا کو ایک خاص مدت تک جب تک اللہ چاہے قائم رکھنا یہ اگرچہ وسیع تر ہے لیکن رحیمیت کا ایک شعبہ ہے اور یہی وہ فائدہ ہے جو کافر کو بھی حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود سے نصیب ہو رہا ہے ۔ اگر رحمت نہ ہو تو ربوبیت کا اظہار بھی نہ ہوتا اور ربوبیت باری کا اظہار نہ ہوتا تو کافر نہ وجود پاتا نہ زندگی پاتا نہ جہان میں آتا اور نہ اس کائنات سے مستفید ہوتا ۔

اب اس سے اگلا قدم جو ہے وہ ہے اللہ کی رحمت کے دو کرا اور خاص شعبے تک رسائی حاصل کرنا ۔ اس کا سبب اور اس کا ذریعہ جس کا انسان مکلف گردانا گیا ہے اُسے اس عالم رنگ و بو میں لا کر اس کائنات اور اس کے حسن اور اس کی لذت آفرینیوں میں لا کر کھڑا کر دیا گیا اور یہ شعور بخشا گیا کہ وہ اشیاء کو اُن کی خصوصیات کو جانے ـــــ حتیٰ کہ آپ دیکھیں گے کہ انسان کے علاوہ پوری کائنات میں کسی میں یہ شعور بھی نہیں ہے کہ وہ معمولی سی غذا کو اپنے طور پر بنا سکے بلکہ تمام حیوانات قدرتی طور پر بنی بنائی غذا کو استعمال کریں گے ۔ یہ اکیلا انسان ہے جو دو تین اغذیہ کو ملا کر ایک خاص قسم کی غذا بنا لیتا ہے اکیلا انسان ہے جو بھس سے دانے کو علیحدہ کرتا ہے ۔ پھر دانے سے آٹا بناتا ہے پھر آٹے بھی نہیں پھانکتا روٹی بناتا ہے ۔ باقی جتنی تخلیق باری ہے اُسے جو غذا قدرتی طور پہ ملتی ہے اس طرح وہ استعمال کرتے ہیں اتنا بھی شعور و ادراک اشیاء کو سمجھنے کا انسان کے علاوہ کسی کو نہیں ہے ۔ تو انسان جب اشیاء کی خصوصیات اور اُن سے استفادہ کا طریقہ جانتا ہے اس کا ایک یقینی نتیجہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ اس کی سوچ اِس سمت بھی سفر کرتی ہے کہ یہ شے دراصل آئی کہاں سے ہے اسے کس نے بنایا ہے ۔ یہ خصوصیات اِس

میں کیسے پیدا ہوئیں — یہ سفر اُسے خالق کا پتہ دیتا ہے کہ کوئی بنانے والا ہے — اُس نے اس چیز کو بنایا اور یہ خصوصیات اس میں رکھیں مثلاً بے آب و گیاہ چٹیل میدان ہے اُس میں بارش برستی ہے تو ایک رنگ کا پانی برستا ہے ایک ذائقہ ہے — اُس پانی کا — ایک طرح کی بُو ہے یا بے رنگ بے بُو اور بے ذائقہ ہے تو سب ایک طرح کا ہے — اب وہاں کوئی تیسری چیز نہیں ہے — وہی مٹی ہے وہی پانی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ برسات کی چند بارشوں کے بعد وہ میدان سبزہ زار بنجاتا ہے اور پھر ہر تنکہ گل بکف ہے — ہر ہر پھول کا رنگ علیحدہ — بُو علیحدہ ہے اور اسکی خصوصیات علیحدہ ہیں تو انسان جب ان سب چیزوں کو دیکھتا ہے تو اُس کو ضرور یہ خیال پیدا ہوتا ہے یہ اس میں رنگ آمیزی کس نے کی — اِس میں خوشبو کس نے بھردی ان میں خصوصیات کس نے رکھدی ہیں — وہ کون ہے، وہ کیسا ہے یہ جستجو اُسے کسی ایسے دروازے پر لے جاتی ہے جو خالق سے کماحقہٗ واقف ہو — اب خالق اور مخلوق کا تعلق جو ہے وہ بڑا عجیب اور بڑا نرالا ہے۔

خالق سے تعلق

انسان باوجود عقل کے شعور کے اپنے عقل اور اپنے شعور کی حدیں رکھتا ہے — یعنی کہیں سے اس کا شعور شروع ہوتا ہے اور کسی حد پر جاکر ختم بھی ہو جاتا ہے — خالق محدود نہیں ہے — وہ حدود سے بالاتر ہے اگر حدود میں سما جائے تو جس چیز کی حدود ہونگی وہ حادث ہونگی اور اگر وہ حادث نہیں ہے وہ ابدی ہے ازلی ہے تو لامحدود ہے عقل کی حدود میں نہیں آئے گا — اب جب انسان کے فہم و شعور میں اس کی ذات نہیں آتی تو یہ اُسے کیسے سمجھے۔ کیسے جانے — اِس کا جواب ہے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ افرادِ انسانیت انسانوں میں سے وہ مختص لوگ جنہیں تخلیقی طور پر اپنی عظمت کا شعور دے کر خدا نے پیدا کیا جسمیں انسانی کوشش کو انسانی ذہن کو انسانی محنت کو انسانی علم کو انسانی تجربے کو قطعاً کوئی دخل نہیں، کیونکہ انسانی علم اس کا تجربہ، اس کی محنت — اس کی ذہانت کی ایک حد ہے — وہ اپنی اس محدود ذہانت سے ذاتِ باری یا صفاتِ باری کی معرفت حاصل نہیں کرسکتا — سو اس مشکل کا حل اللہ کریم نے انسانوں ہی سے بعض افرادِ انسانیت کو تخلیقی طور پر ہی جب بنایا — جب اُن کے ارواح پیدا کیں تب ارواح میں یہ خصوصیت رکھی اور جب وجود بنایا تو وجود میں یہ اہلیت رکھی یہ

استعداد رکھی کہ وہ اللہ کی معرفت کو بغیر کسی تجربے کے۔ بغیر کسی سے سیکھے ہوئے بغیر کسی مطالعے کے اللہ ہی کی دین سے جانتے ہیں اور انہوں نے اِس مشکل کو اتنا سہل کر دیا کہ ہر آدمی اُس کے جاننے کا مکلف ٹھہرا اتنا آسان کر دیا اِس بات کو سمجھنا کہ ہر شخص اِس بات کا مکلف ٹھہرا کہ وہ اللہ کی ذات کو اس کی صفات کی معرفت کو انبیاء سے حاصل کرے اور جہاں جہاں انبیاء کے قدم پہنچے وہاں وہاں نبوت کا نور بھی ان کے ساتھ پہنچتا گیا اور نبوت کی برکات حتیٰ کہ دُنیا پر بازمین پر پہلا قدم رکھنے والا انسان خود نبی تھا۔

اُس کے بعد جُوں جُوں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین پر پھیلی تو جہاں اقوام کو ممالک کو ایسی صورت پیش آئی کہ اُنہیں کوئی بھی خالق کی طرف رہنمائی کرنے والا نہ مل سکا تو اللہ نے وہاں نبوت پیدا کر دی۔ کوئی نبی پیدا کر دیا۔ اب جو یہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذواتِ مقدسہ ہیں انہوں نے بھی جس سے معرفت کا خزینہ لُوٹا ہے اور تمام انبیاء کے اور خالق کائنات کے درمیان بھی ایک ہی واسطہ ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تو بایں معنی آپ کی ذات والا صفات سارے عالمین کے لیئے رحمتِ باری ہے یعنی عرش و فرش کو جو وجود ملا۔ عالم کے ایک ایک ذرّے کو جو وجود ملا وہ ربوبیت کا ایک شاخسانہ ہے اور ربوبیت رحمت کی ایک شاخ ہے اب اسمیں بسنے والی مخلوق کو دوسرا کمال جو ملا وہ تھا معرفتِ باری اور وہ بجائے خود رحمت کی دوسری شاخ ہے تو ان سارے فیوضات و برکات کی اصل اللہ اور مخلوق کے درمیان ایک ذات واسطہ بنی اور وہ ذات تھی آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تمام نبیوں پہ یہ فرض تھا اور اُن کے فرائض نبوت میں سے تھا کہ اللہ کی توحید اور اپنی نبوت کے ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی پیشگی خبر دیں۔ آپ کے اوصاف بیان فرمائیں اور اُمت سے یہ اقرار لیں کہ ہم جس طرح اللہ کو واحدہٗ لاشریک مانتے ہیں جس طرح اپنے نبی کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اُس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور نسلاً بعد نسلاً یہ بات ہم پہنچاتے جائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی شخص اگر ہماری اولاد میں سے کوئی شخص باقی ہو تو وہ حضور کے ساتھ ایمان بھی لائے اور آپ کی خدمت بھی بجا لائے تو گویا تمام اُمتیں حقیقتاً

حضور پُر نُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آستیں ہیں لیکن براہِ راست نہیں بواسطہ اپنے انبیاء و رُسل کے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم امام الانبیاء ہیں تو اپنے اپنے نبی کے واسطے سے تمام اُمتوں نے ہدایت پائی یا ولایت پائی یا کوئی مرتبہ معرفتِ باری کا حاصل کیا تو اُس کا خزینہ کون تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

مدارج و مقامات

اولادِ آدم علیہ السلام میں سے کسی کو صلاحیت نصیب ہُوئی اگر کسی کو قربِ الٰہی نصیب ہُوا تو اُس خزانے کی اصل بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور انبیاء و رُسل میں سے جس زمانے میں کوئی ہستی مبعوث ہُوئی تو جو فیوضات و برکات اُن سے پہلے اُس کی اصل آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تھی — اور اُس شخص کو نصیب ہُوئے جسے حضور پر بھی ایمان نصیب ہُوا — اگر اُن پہلی اُمتوں میں سے اگر کسی نے خدا کو مانا — اپنے نبی کو مانا لیکن حضورؐ کے ساتھ ایمان نہیں لایا تو اُس کا وہ ماننا بھی نہ ماننا ٹھہرا — اور اسے ایمان نصیب ہُوا نہ ایمان کی برکات نصیب ہوئیں تو گویا جتنے منازل قربِ الٰہی کے آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل تقسیم ہوئے اُن کی اصل بھی آپؐ کی ذاتِ والا صفات تھی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

تو اب کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ کم و بیش سوا لاکھ انبیاء و رُسل کے کتنے صحابہ اور اُن اُمتوں میں کتنے ولی — کتنے عارف اور کتنے علمائے ربانیین پیدا ہُوئے ہونگے۔ خُدا ہی جانتا ہے — یہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر بات ہے تو بالواسطہ ایمان لا کر جب مخلوق کو اتنے اتنے مدارج نصیب ہُوئے تو یقینی بات ہے جسکو براہِ راست ایمان نصیب ہُوا اُس کے مدارج بہت ہی بلند ہوتے یعنی یہ بات بالکل اصولاً ہونی چاہیے تھی کہ جب آدم علیہ السلام کی اولاد میں برکات تقسیم ہوتی ہیں حتیٰ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کتنا طویل عرصہ بعد وقوع پذیر ہوتی ہے لیکن اُن کا ایمان غائبانہ اور آدم علیہ السلام کی اطلاع کے مطابق جو قائم ہوتا ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اُس کی نسبت سے اُن کے سینے میں بھی نورِ معرفت موجیں لیتا ہے نُوح علیہ السلام کے ساتھ جو کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اس سارے سیلِ بلا سے بچنے والا اُن کے سینے میں وہی نور ہے جو بوساطت نوح علیہ السلام توحیدِ باری، نبوت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت

پر ایمان لانے سے نصیب ہُوا تو اس طرح جب اتنے دُور تک اور ایک وسیلہ درمیان میں رکھ کر اُس کی داستان سے کوئی ایمان لاتا ہے اُس تک اتنی برکات پہنچتی ہیں تو جنہیں براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے اللہ کریم کا کلام سُننا نصیب ہُوا اور جنہوں نے حضورؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور جنہیں حضورؐ کے ساتھ نمازیں اور جہاد نصیب ہُوا یقیناً اُن کی مثال پہلی اُمتوں میں نہیں چاہیے۔

اور اسی طرح شہادت اللہ کی کتاب دیتی ہے فرمایا کُنتم خیر امۃ اِس کا مصداق اوّل کون ہیں وہ لوگ جو حضورؐ کے سب سے اوّل مخاطب تھے ۔ معرفت و سلوک میں اُن کا مقام کیا بنتا ہے ۔ اسے آپ یُوں سمجھیے کہ مخلوق میں سے کوئی فرد بھی خواہ وہ انسان ہو یا فرشتہ بلندی مراتب ۔ بلندی منازل اور قُربِ الٰہی حاصل کرنا اُس کے لیئے جسقدر ممکن ہے اور حاصل کر سکتا ہے اُس کی انتہا نبوت و رسالت ہے اس سے بالا کوئی مقام نہیں ہے

اور نبوت کے بعد دوسرا درجہ ہے صحابیت رسولؐ یعنی بلند ترین مقام جو کوئی حاصل کر سکتا ہے وہ ہے صحابیتِ رسولؐ اور اُس کے حصول کے لیئے کتنا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے ۔ کتنی محنت کرنی پڑتی ہے ۔ کتنے چلّے لگانے پڑتے ہیں ۔ کتنے سفر کرنے پڑتے ہیں ۔ کتنے جہاد کرنے پڑتے ہیں ۔ کتنے نوافل ادا کرنے پڑتے ہیں ۔ کتنے مراقبات کرنے پڑتے ہیں ۔ کتنی راتوں کو زندہ رکھنا پڑتا ہے اور کتنے دِلوں کو یادِ الٰہی میں بسر کرنا پڑتا ہے ان میں سے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا

حضورؐ کی بعثت کے بعد جو شخص بھی آپؐ پر ایمان لایا ۔ ایمان لانے سے اُس میں قبول و برکات کی استعداد پیدا ہو گئی ۔ ایمان کی نفی وجود میں سے برکات کو قبول کرنے کی استعداد کو نفی کر دیتی ہے جب تک زندہ رہے وہ استعداد دب جاتی ہے سلب نہیں ہوتی ۔ اگر توبہ کرے کسی بھی وقت پھر عود کر آتی ہے لیکن اگر کفر پر مر جائے تو یہ استعداد سلب کر لی جاتی ہے اسی لیئے کافر کے مرنے کے بعد دُعا کرنا حرام ہے جائز نہیں ہے ۔ چونکہ وہ دعا کا محل ہی نہیں رہا اُس سے وہ استعداد سلب کر لی گئی لیکن اگر کافر زندہ ہو تو اُس کی ہدایت کیلئے دُعا کرنا جائز ہے ۔ اور کرتے رہنا چاہیے ۔ تو گویا اُس میں وہ استعداد دب جاتی ہے لیکن جب وہ ایمان لاتا ہے تو ایمان لانے کا عمل اتنا عظیم کام ہے کہ وہ اُس کی زندگی کو بدل دیتا ہے اور نورِ ایمان اور برکات کو حاصل کرنے

کی استعداد دل میں بیک وقت زندہ ہو جاتی ہے — جب یہ استعداد کسی دل میں در آئی تو ایک نگاہ اس کی اگر حضورؐ کے وجود اقدس پر پڑگئی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ مبارک اس پر پڑگئی تو وہ مقامِ صحابیت پہ فائز ہو گیا — اور یہ ہونا چاہیے تھا — کہ کروڑوں برس پہلے اپنے نبی سے آپؐ کا نامِ نامی سُنکر جو آپؐ کی نبوت پہ ایمان لائے اُسے اگر مقامِ قربِ الہٰی کے اعلیٰ ترین مدارج نصیب ہو سکتے ہیں اُسے اگر معرفتِ باری کے اعلیٰ ترین مقامات نصیب ہو سکتے ہیں تو جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ میں آجائے — اُسے واقعی یہ نصیب ہونا چاہیے تھا۔

تقسیمِ مراتب

اب یہ جو صحابیت ہے جو اک نگاہ میں بٹی — یاد رکھیں اس پہ کوئی شرط عائد نہیں کی گئی کہ اتنی عمر کا آدمی صحابی بن سکتا ہے یا اتنے علم والا صحابی بن سکتا ہے یا فلاں خاندان کا صحابی بن سکتا ہے یا اتنی دولت والا بن سکتا ہے یا مرد بن سکتا ہے عورت نہیں بن سکتی — نہیں بلکہ انسانیت کے افراد میں سے جو فرد بھی عالم تھا یا جاہل — امیر تھا یا غریب، مرد تھا یا عورت — ایمان لایا یعنی قبول برکا کی استعداد لیکر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ کے سامنے آگیا تو ایک نگاہ میں مقامِ صحابیت پہ جا بیٹھا — اب اُس کے مجاہدے کا نمبر آتا ہے کہ کس نے کتنی محنت کی — کتنے وظائف ادا کیے — کتنے مراقبات کیے — کتنے غزوات میں حصہ لیا — کتنی محنت کی — تو گویا وہ اُس مقامِ صحابیت کے اندر ہی اندر یہ سبقت لے چلے گئے لیکن بنیادی طور پر صحابی سارے ہی بن گئے جب اتنی بڑی نعمت اک نگاہ میں بٹتی ہے تو یہ رواج کس نے ڈالا ہے کہ چند مخصوص لوگ تو ولی اللہ ہو سکتے ہیں عامۃ الناس نہیں۔

اصل طریقِ سُنت یہ ہے کہ امت مسلم کا ہر فرد ولی اللہ ہو مرد بھی اور عورت بھی مسنون طریقہ یہ ہے کہ جو شخص بھی آپ سے ملے اُسے ولایت میں سے کوئی نہ کوئی حصہ نصیب ہو جائے صحیح مسنون طریقہ یہ ہے یہ جو رواج ہو گیا ہے نا کہ ایک ولی اللہ ہوتا ہے باقی سارے اُسے دیکھتے رہتے ہیں جب وہ دُنیا سے اُٹھتا ہے تو اس کا کوئی لڑکا، لڑکی ولی اللہ ہو جاتا ہے یہ درست نہیں ہے یہ نعمت یوں وراثتاً نہیں چلتی یہ لُٹتی ہے اور اہلِ حق کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ اسے ہر طالب تک پہنچاتے ہیں بلکہ لوگوں کو دعوت دیکر طالب بناتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ مدتوں بعد ہمیں یہ نعمت

دیکھنا نصیب ہوئی تو ہم سمجھتے ہیں یہ نئی بات ہے نیا کام ہے — نیا کام نہیں ہے بلکہ یہ نعمتِ گمگشتہ ہے پرانی ہماری وراثت یہی ہے کہ جب صحابیت کے لئے کوئی قید نہیں ہے مرد، عورت، امیر، غریب، عالم، جاہل کی تو ولایت کیلئے کس کی قید لگا دی کہ چند لوگ تو ولایت سے مشرف ہوں اور باقی صرف ان کو دیکھتے رہیں — یہ درست نہیں ہے مسنون طریقہ یہی ہے جس سے خدا کے بندے نے اللہ کی اس پر کروڑوں رحمتیں ہوں ہمیں آشنا کر دیا۔ یہ معمولی بات نہیں ہے — یہ بڑی عظیم دولت ہے۔

صحابیت کیا ہے

اب آیئے اس بات کی طرف کہ یہ جو صحابی بنتا ہے یہ اپنے اندر کیا بات رکھتا ہے — کیا آدمی کا کوئی قد بڑھ جاتا ہے — آدمی کی کوئی رنگت تبدیل ہو جاتی ہے یا اس کے دولت مند یا غریب ہونے کا کوئی چکر ہے کہ صحابی ہو کر غریب ہو گیا — یا صحابی ہو کر امیر ہو گیا — کچھ بھی نہیں ہوتا یہ سب مربوط نظام کے تحت جیسے پہلے چل رہا ہے ویسے بعد میں بھی چلتا رہتا ہے — بچہ ہوتا ہے — جوان ہوتا ہے — بوڑھا ہوتا ہے اور دنیا سے چلا جاتا ہے — صحت مند بھی رہتا ہے — بیمار بھی ہوتا ہے — امیر بھی ہوتا ہے — اس پر غربت بھی آتی ہے یہ سارے حوادثات جو اس کے حصے میں لکھ دیئے گئے ہیں اس پر گذرتے ہیں تو پھر صحابی بننے کا فائدہ کیا ہوا؟

صحابیت ایک کیفیت کا نام ہے جو صحابی میں انسانی اخلاق کا وہ معیار پیدا کر دیتی ہے جو نبی کے بعد اعلیٰ ترین معیار ہوتا ہے — تبدیلی یہ ہوتی ہے صحابی بننے میں کہ ایک کافر ہے لیٹرا ہے — ڈاکو ہے — ایمان نصیب ہوا پھر پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں آیا صحابی بن گیا — تو اک لیٹرا — لیٹرا نہیں رہا دنیا کا مثالی عادل انسان بن گیا — چور — چور نہیں رہا بلکہ مثالی امین بن گیا — کوئی شخص غلط بات کہنے والا تھا — بحالتِ کفر کوئی شخص سنگدل تھا اپنے بچوں کو اپنی اولادوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتا تھا — لیکن جب شرفِ صحابیت نصیب ہوا تو جانوروں کے بچوں کی بھی حفاظت کرتا ہوا نظر آتا ہے — انسان ہے تو انسان ہے پھر اس کے دم سے دنیا میں جانوروں کے بچوں کو بھی دکھ نہیں پہنچتا — اس کا بھی درد محسوس کرتا ہے — وہی دل جو اتنا کٹھور تھا اتنا رقیق ہو

گیا صحابی بنکر —— یعنی صحابیت ایک کیفیت کا نام ہے ۔ ایک حالت کا نام ہے جو صحابی کو نبیؐ کی اِک نگاہ سے نصیب ہوتی ہے اور وہ اُسے انسانی اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام پہ فائز کر دیتی ہے ۔

اب ہوتا یہ ہے کہ لوگوں میں فطری استعدادات مختلف ہوتی ہیں کسی شخص کا مزاج علمی ہوتا ہے کسی شخص کا مزاج مدنی ہوتا ہے ۔ لوگوں میں مل جل کر رہنے کا اُسے سلیقہ آتا ہے دوست دشمن بنانے کا اُسے طریق آتا ہے ۔ کسی کا مزاج حاکمانہ ہوتا ہے وہ جرنیلوں کی طرح زندگی گذارتا ہے اُسے حکومت کرنے کا —— لوگوں سے بات منوانے کا ڈھنگ آتا ہے تو جب یہ لوگ صحابی بنتے ہیں تو جو وصف اُن کے اندر تھا وہ اپنی انتہائے کمال کو پہنچ جاتا ہے پھر آپ دیکھتے ہیں علوم میں بھی تہذیب میں بھی اور سیاسیات میں بھی آج تک کائنات اُن کی طرف نگاہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے یعنی اُنہوں نے یہ سب کچھ سیکھا نہیں ہے ریوڑ چھوڑ کر اونٹوں کے گلے چھوڑ کر بھیڑوں اور بکریوں کے ریوڑ چھوڑ کر آئے فردوسی نے کہا تھا رستم کی زبان سے

زشیر شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجائے رسید است کار

یہ خانہ بدوش اور سانڈے کھانے والے اور اونٹوں کے دودھ پہ گذر بسر کرنے لوگ ذرا ان کی سوچ دیکھو یہ کیا چاہتے کیا ہیں

کہ تخت کیاں را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

کہ سلطنت کیانی کے تخت پہ ان کی نگاہ ہے ۔ یہ بات کہ اتنی بلند نگاہی اور اتنی وسیع ظرفی اور اتنی وسعت ان کی نگاہ میں کہاں سے آئی —— وہ نہیں سمجھتا تھا رستم اس بات سے بے بہرہ تھا کہ نورِ ایمان کیا ہے اور پھر ایمان لانے کے بعد حضورؐ کے سامنے جانا اپنے اندر کیا کچھ رکھتا ہے ۔

تو صحابیت ایک تبدیلی پیدا کرتی ہے خردمیں کہ جو اُسے جس مقام پر بھی ہے وہاں سے اُٹھا کر انسانی حقوق کے اعلیٰ ترین مقام پر لے جاتی ہے اگر اُس کا ذوق علمی ہے تو علماء کا امام ہوتا ہے اگر اُس کا ذوق سپاہیانہ ہے تو ہر ایک سالار ہوتا ہے اور اگر اُس کا ذوق مدنی ہے تو اخلاق کا بہت بڑا خزانہ بنجاتا ہے اور یہی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ——

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اوکما قال ؑ

کہ اخلاقیات کی اعلیٰ ترین تکمیل کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے ۔

اب اِن میں کمتر کوئی نہیں ہے لیعنی صحابہ میں کمتر کوئی بھی نہیں ہے — سب اعلیٰ ہیں مگر بعض اعلیٰ سے بھی اعلیٰ ہیں — وہ جو قرآنِ کریم کا انداز ہے نا ——————

تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض ——————

یعنی ان میں سے کسی کے مقابلے میں کسی کی کمی کا ذکر نہیں کیا — قرآنِ کریم نے کہ فلاں فلاں سے کم ہے نہیں فرمایا — بلکہ فرمایا بعض، بعض سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں لیعنی سارے صاحب فضیلت ہیں — بنیادی طور پہ سارے نبی سارے رسول صاحبِ فضیلت ہیں اُن میں سے بعض کو پھر بعض پر زیادہ فضیلتیں حاصل ہیں — یہی حال صحابیت کا ہے کہ بنیادی طور پر سب صحابی ہیں کوئی اس سے کم نہیں پھر ان میں سے بعض، بعض پہ زیادہ فضیلتیں رکھتے ہیں — حتیٰ کہ سب سے پہلا اجماع جو صحابہ کا ہے — وہ اس بات پر ہے کہ ہم میں سے سب سے اعلیٰ اور سب سے اشرف انسان ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ عنہٗ لیعنی اس بات پر سب صحابہ کا اجماع ہے — جسے آپ اجماعِ اُمّت کہتے ہیں — تو اس وقت اُمّت صرف صحابہ تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چشمِ عالم سے پردہ فرمایا تو اُمّت کون تھے — صحابہ تھے

اور بھئی عام آدمی نہیں سمجھ سکتا یہ جو لوگ کرتے ہیں نا تنقید — یہ اپنے برابر کھڑا کر کے تنقید کرتے ہیں اُن کا معیار دوسرا ہے آپ اس طرح سوچیں کہ اس سرزمین پہ اس جنگل میں خدا کا ایک بندہ وارد ہوا آج سے کوئی ساڑھے تین سو سال — پونے چار سو سال پیشتر اس آبادی میں ٹھہرا — یہیں اللہ کو پیارا ہوا اور یہ جگہ اُن کے مدفن کے لیئے اللہ نے مقرر فرمائی کہ وہ یہاں آرام فرمائیں — ولائیت کی برکات کو صدیاں دُھندلا نہ سکیں ایک صدی بیت گئی — دوسری صدی بیت گئی وہ لوگ جو انہیں ولی اللہ جانتے تھے دُنیا سے اُٹھ گئے — وہ وقت بیت گیا — تیسری صدی بیت گئی لیکن اُن کی قوتِ ولائیت اُن کی وہ نورانیت — اس میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ لوگ یہاں مسلسل ہدایت حاصل کرتے رہے تا آنکہ اللہ کو یہ منظور تھا — یہ اُس کا اپنا نظام ہے کون جانتا تھا کہ چار صدیاں بعد یہاں حالات بگڑیں گے اور بھٹکی ہوئی مسلم قوم کو روحانی برکات کی ضرورت پیش آئے گی — اُنہیں الفاظ نہیں روک سکیں گے — تبلیغ ہو گی ریڈیو پہ، ٹی وی پہ لیکن ذرائع ابلاغ انسانوں میں تبدیلی پیدا نہیں

کر سکیں گے ۔ جب بگاڑ اس درجہ پر پہنچے گا تو پھر اس جنگل سے روشنی کا ایک سوتا پھوٹے گا جو کلبوں سے شراب خانوں سے یورپ کی رنگینیوں سے لوگوں کو کھینچ کر اللہ کی بارگاہ میں کھڑا کر دے گا ـــــ کوئی جانتا تھا ـــــ کسی کو نہیں پتہ تھا ـــــ

وہی جانتا تھا جس نے مدینہ منورہ سے اس شخص کو چلایا اور یہاں ڈیرے ڈلوا دیئے اور آج وہ وقت ہے کہ سویڈن اور ناروے سے امریکہ اور برطانیہ سے یورپ کے گئے گذرے معاشرے سے یہاں آ کر لوگ دین سیکھتے ہیں اور وہاں جا کر اللہ اللہ کرتے ہیں ـــ کیا اس سے بڑی عجیب بات کوئی ہو گی ـــــ اور یہ قوت کیا ہے ـــ ایک ولی اللہ کی برکات ہیں ۔

اسی طرح آپ تاریخ کو الٹے چلے جائیں پیچھے کی طرف تو احیائے دین کا فریضہ آپ کو جہاں بھی نظر آئے گا کسی سلطنت کسی حکومت کا مرہون منت نہیں ہو گا بلکہ کسی مرد قلندر کی قربانیوں سے وقوع پذیر ہوا ہو گا ـــ خواہ وہ مجدد الف ثانی ہوں یا معین الدین اجمیری ؒ عبد القادر گیلانی ہوں یا کوئی اور ہستی ہو گا کوئی اللہ کا بندہ ہی جس نے تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا ہو گا

تو اگر یہ قوت ایک ایک ولی اللہ میں ہے کہ اس کا ایک ایک فرد اتنا انقلاب آفریں ہوتا ہے کہ حکومتوں اور سلطنتوں کو روندنے والا ہلاکو جیسا شخص خواجہ محمد دربندی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے پہنچا تو کلمہ طیبہ پڑھ لیا ۔

یعنی ایک ایک ولی کی ان برکات کو آپ دیکھیں تو انسان اندازہ نہیں لگا سکتا تو جب ایک ایک ولی میں اتنی برکات ہیں تو دنیا پہ بسنے والے سارے لوگ اگر ولی اللہ ہو جائیں اور بیک وقت ولایت کی آخری منازل کو پا لیں تو آپ کیا سمجھتے ہیں کیسا معاشرہ ہو گا کسی ملک میں ایک ولی ہو تو وہاں ہدایت کا فیضان قرار پاتا ہے من جانب اللہ کسی ایک ولی کا وجود بھی عمومی گمراہی نہیں پھیلنے دیتا ـــ کوئی نہ کوئی اس کے ساتھ اللہ اللہ کرتا ہی رہتا ہے اور کسی شہر میں ایک ولی ہو اگر شہر کے بسنے والے سارے ولی اللہ ہو جائیں مرد ـــ عورت ـــ دکاندار ـــ گاہک ـــ مزدور ـــ آجر ـــ مدعی ـــ مدعا علیہ ـــ گواہ ـــ تو جب یہ سارے ولی اللہ ہوں گے تو کیا حالت ہو گی شہر کی ـــ اور اگر دنیا کے سارے افراد ولی اللہ بن جائیں تو انسانی عظمت کی اس بلندی کو نہیں پا سکتے جس پر ایک سب سے آخر میں چلنے والا صحابی چل رہا ہے ـــ تو پھر آپ صحابی کی عظمت

کا اندازہ کریں کہ صحابیت کیا شے ہے اور انسانی اخلاق کو وہ کن بلندیوں پر لے جاتی ہے — اور ذرا ان ٹکر گدوں کو دیکھیں تو روٹی مانگ کر کھاتے ہیں — اور اعتراض حضرت عثمان غنیؓ پر کرتے ہیں۔

اپنا کھانا تو گدا کا ہے اور تنقید کی جا رہی ہے اُس ہستی پر جو تیئس سال کی صحبت پیامبرؐ کا امین رہا — جسکی اک نگاہ میں انسانی اخلاق اعلیٰ ترین مقامات کو پالیتے ہیں — تو جس ہستی نے انہی نگاہوں کو تیئس برس اپنے سینے میں سمویا جس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضورؐ فرمائیں میرا ہاتھ عثمانؓ ہی کا ہاتھ ہے — اور جن کے بارے میں خدا کہہ دے لوگو تم صرف ان کی غلامی کرلو میں تم سے راضی ہوں — کتنی عجیب بات ہے میں کہتا ہوں اگر خدانخواستہ صحابہ خائن تھے تو خیانت کرنا ہی خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے — جب ساری کائنات کو حکم دے دیا ———

والذین اتبعوھم باحسان

کہ خلوصِ دل سے ان کے نقشِ قدم پر چلو تو اُن کے فعل کو اگر آپ یا کوئی معاذاللہ خیانت کہے تو خیانت ہی خدا کے نزدیک محبوب ہے چونکہ مطلق حکم دیدیا ہے اُن کے اتباع کا کیوں حکم دے دیا خدا یا فرمایا ———

اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی ———

میں نے ان کے دلوں کے امتحان لے لیے ہیں — ایمان کی بات آئی تو فرمایا

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا

جو شخص عقائد میں تمہاری مثل ہو جائے اے صحابہ رسولؐ اُس نے ہدایت پالی — اور جو اس طرح نہ ہوا ———

وان تولوا فانما ھم فی شقاق

اور جو اس رُخ سے پھرا وہ تباہی میں چلا گیا ———

یعنی ایمان میں معیارِ ایمان وہ ہیں — عمل میں معیارِ عمل وہ ہیں — اور اتنا اعتماد ہے اللہ کے رسولؐ کو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میری سُنّت اور میرے خلفاء کی سُنّت یعنی جہاں اپنی سُنّت کا حکم فرمایا :-

علیکم بسنتی و بسنۃ
خلفاء الراشدین المھدیین

اور فرمایا — اس سُنّت کو داڑھوں سے پکڑنا — دانتوں سے نہیں — داڑھوں سے پکڑنا — اب اگر کسی کو اُن کی روش پر فتور

نظر آئے تو حق یہ ہے کہ اُسے اپنی نگاہ کا علاج کرانا چاہیے — یہ ضروری نہیں کہ وہاں ہی نقص ہو جہاں آپ دیکھ رہے ہیں نگاہ میں نقص آئے تو بھی وہاں نظر آتا ہے — بعض لوگوں نے چشمے رنگین لگا لیے ہیں کسی فرد سے متاثر ہو کر کسی شخص سے متاثر ہو کر — کسی واقعہ سے متاثر ہو کر — اُن کی نگاہ پہ ایک رنگین چشمہ آگیا ہے — اُسس میں وہ صحابی بھی دیکھیں تو اُسس پہ وہی رنگ نظر آئے گا جو اصل میں انہوں نے اپنی نگاہوں پر چڑھا رکھا ہے — صحابی کا وہ رنگ نہیں ہے وہ رنگ اُن کی عینک کا ہے تو اُنہیں دیکھنے کے لیے تو اُتار کر دیکھو — نگاہ کو صحیح کر کے دیکھو — درست کر کے دیکھو پھر پتہ چلے گا کہ صحابی ہونا ہی بجائے خود اپنے اندر کیا کیفیات رکھتا ہے۔

اور اللہ کے کتنے قریب جاتا ہے انسان کو کہ وہ اُٹھتے — بیٹھتے — سوتے جاگتے — چلتے پھرتے لڑائی ہو یا صلح اپنے ساتھ ذاتِ باری کو محسوس کرتا ہے — آپ نے دیکھا اُن میں سے ہر ایک ایک فرد کو کبھی تیس ہزار کو ساڑھے تین ۳ لاکھ سے دست بدست جنگ لڑتے سُنا — آپ نے تاریخ میں تیس ہزار کا لشکر ہو اور ساڑھے تین لاکھ مقابل ہوں لڑائی دست بدست ہو تلواروں کی جنگ ہو تو ہے کوئی مقابلہ کرنے کی تُک تھی تیس ہزار پاگل ہیں — دیوانے ہیں بات کیا ہے۔

اصل بات ہتھیاروں کی نہیں ہے — بات صرف یہ ہے کہ جب وہ اپنی طرف دیکھتے ہیں تو اپنے ساتھ رب العالمین کو بھی دیکھتے ہیں وہ اپنے کو تنہا نہیں پاتے تو سامنے جب دیکھتے ہیں تو اللہ کی برکات سے خالی مخلوق نظر آتی ہے وہ کہتے ہیں یہ تو مقابلہ کچھ بھی نہ ہوا جب وہ اپنی طرف دیکھتے ہیں تو انہیں ساتھ تجلیاتِ باری نظر آتی ہیں — جب مقابل دیکھتے ہیں تو خواہ ساڑھے تین لاکھ ہوں کفر کی دلدل میں دھنسے نظر آتے ہیں تو اب تیس ۳۰ ہزار اگر برق انداز کھڑے ہوں اور اُن کے مقابل میں دس لاکھ بھی دلدل میں دھنسے ہوئے آدمی ہوں انہیں کہہ دیا جائے کہ اِن کے سر کاٹنے میں کوئی مشکل نظر نہیں آئے گی صحابی اسی طرح سے تھے — پھر تاریخ گواہ ہے کہ وہ تیس ہزار فاتح اور ساڑھے تین لاکھ مفتوح —

اور پھر یہ صرف ایک بات نہیں ہے آپ سب سے پہلی سب سے عظیم اور دُنیا کی منفرد جنگ — جنگ بدر کو دیکھیں — آپ میدانِ بدر میں تین سو تیرہ کو لائیے — اُن تین سو تیرہ میں کچھ بچے ہیں — کچھ بوڑھے ہیں — آدھے کے قریب جوان ہیں — اب حالت یہ ہے کہ

پورا لباس کسی ایک کے پاس بھی نہیں ہے کسی کے جوتے نہیں ہیں کسی کے سر پہ کچھ نہیں ہے اور کچھ لوگوں کے پاس قمیضیں ہیں باقی اکثر صحابہ کرام کے پاس بعض کے پاس دو چادریں تھیں اور بعض کے پاس صرف ایک چادر تھی۔ جس کے پاس ایک چادر تھی اُس نے وہ لڑ گردن کے پیچھے یوں باندھ رکھے تھے کہ سینے پہ بھی کپڑا آجائے یعنی چادر کمر پہ لپیٹ کر تو دونوں یہاں پیچھے گانٹھ دی ہوئی تھی اور جس کے پاس دو تھیں اُس نے ایک کا تہ بند بنایا ہوا تھا اور ایک اُوپر لپیٹ رکھی تھی ــ اسلحہ نام کو نہیں تھا ــ چند زرہیں اور چند تلواریں تھیں ـــ تو پھر وہ ایک ہزار کے اُس لشکر سے جو اہلِ مکہ کا چُنا ہُوا تھا جنگجو جوانوں پر مشتمل تھا۔ پوری طرح اسلحہ سے لیس اُن کے سامنے وہ کھڑے کس طرح ہو گئے ـــ وہ کیوں کھڑے تھے ـــ کیا معاذ اللہ اُن کے ذہن کام نہیں کر رہے تھے ـــ اُن کے ذہن بھی کام کر رہے تھے اور اُن کی نگاہ میری تیری نگاہوں سے بہت وسیع تھی ـــ وہ جب اِن تین سو تیرہ کو دیکھتے تھے تو اِن میں سے ہر ایک کے ساتھ تجلیاتِ باری نظر آتی تھیں اور جب اُس ہزار کو دیکھتے تھے تو وہ گردن سے اُوپر اُوپر تک کفر کی دلدل میں دھنسے ہوئے نظر آتے تھے اِس لیے کسی نے بھی سوال نہیں کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم ان سے کیسے لڑ سکتے ہیں ؟ سوال تو کیا جا سکتا تھا خواہ انکار کوئی نہ کرتا۔ یہ عرض تو کر سکتا تھا کہ یا نبی اللہؐ آپ ہمیں حکم تو دے رہے ہیں بسر و چشم ہم حاضر ہیں لیکن بغیر اسبابِ ظاہری کے اِس تعداد میں اور کمزور حیثیت میں ہم ان سے کیسے لڑیں گے ـــ یہ کیسے ممکن ہے کسی نے بھی نہیں کہا۔

غزوہ احد میں تیراندازوں کا واقعہ

یہ جو واقعہ احد بیان کرتے ہیں۔ بیان کرنے والوں کے بھی اپنے اپنے انداز ہیں ـــ ذرا دیکھنا تحقیق کے جوہر دکھائے ہیں لوگوں نے کہ وہ جو پچاس خدام رسولؐ مقرر تھے تیراندازی پر انہوں نے جب مالِ غنیمت کو دیکھا۔ لوٹ مچتی دیکھ کر وہاں سے بھاگ آئے۔ یار کوئی خدا کا خوف چاہیے بات کرنے کیلئے۔

غنیمت کا ایک قاعدہ تھا اللہ کے رسولؐ بنفسِ نفیس وہاں تشریف رکھتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم قانون یہ تھا کہ کوئی ایک رسی بھی نہ لوٹے کوئی ایک کپڑا بھی نہ اُٹھائے ـــ کوئی ایک جوتی بھی اُٹھائے کوئی کسی کی زرہ یا تلوار اُٹھائے تو وہ سارا مالِ غنیمت اللہ کے نبی کے قدموں میں ڈھیر کر دے اور

پھر وہاں سے تقسیم ہو — سوار کو دو حصے ملیں اُس کا بھی اُس کے گھوڑے کا بھی اور جو پیدل ہو اُس اُس کو بھی ایک حصہ دیا جائے — حتیٰ کہ جن لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میدانِ جنگ سے باہر شہر میں ڈیوٹی پر چھوڑ آئے تھے انہیں بھی اُن کا حصہ غنیمت دے دیا گیا کہ وہ جنگ میں شامل تھے حضورؐ نے اُن کی ڈیوٹی وہاں لگا دی تھی تو پھر جب حصہ ہی ملنا ہے تو وہاں رہے تو بھی حصہ ملنا ہے اور سارا لوٹ کر لے آئیں تو بھی وہی حصہ ملنا ہے تو اُس لوٹ کھسوٹ کے لالچ کا کیا فائدہ — کیا یہ سبب بن سکتا ہے پھر اصل سبب یہ تھا جب کافروں میں بھگدڑ مچی تو ان میں سے بیشتر نے یہ جانا کہ ہمیں حکم تھا حضورؐ کا جب تک جنگ ہے ہم نے یہاں کھڑا ہونا ہے اب جنگ ختم ہو گئی کافروں کو شکست ہو گئی کافر بھاگ رہے ہیں اب وہ پرے کو بھاگ رہے ہیں ادھر تو نہیں آ رہے اب ہمارے یہاں کھڑے ہونے کا کوئی مقصد نہیں رہا اس لیے اب اُس حکم کی تعمیل مکمل ہو گئی اور جو ٹھہرے رہے اُنہوں نے کہا نہیں بھائی حضورؐ نے کہا ہے وہاں کھڑے رہو — اب حضورؐ کہیں گے نیچے آ جاؤ — تو دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ دیانت داری اور خلوص سے تھیں کیونکہ دیانت کا اصل معیار وہی لوگ وہ صحابی تھے — اب اللہ کو یہ منظور تھا تو خدا نے کہا کہ میں تمہیں مسلمانوں یہ سکھانا چاہتا تھا میں قادر ہوں — جو بدر میں ستر کافروں کو واصلِ جہنم کر سکتا ہے وہ قادر ہے کہ تمہارے ستر جانفروشوں کو شہادت سے سرفراز کر دے میں کچھ انعامات مزید تم پہ نچھاور کرنا چاہتا تھا بس — یہ چاہتا تھا کہ تمہارے لاشے کٹ کر اُٹھیں محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور میدانِ حشر میں بھی اُٹھو تو فرشتوں کو بھی خبر ہو کہ کیسے کیسے جانثار پیدا ہوئے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے — یہ اُس کی مشیت تھی ورنہ شکست بہرحال کفر کے ہی مقدر میں تھی۔

یہ جو لکھتے ہیں نا مسلمانوں کو شکست ہوئی بھلا اُس لشکر کو شکست ہوئی جو تین دن وہیں مقیم رہا اور جس نے پانچ کوس تک کفر کے بھاگتے ہوئے لشکر کا تعاقب کیا — اور عجب حال تھا جب اُحد سے کافر بھاگے جب انہوں نے پلٹ کر حملہ کیا تو افراتفری مچ گئی — لیکن جب حضورؐ نے صحابہ کرام کو آواز دی تو پھر سب پروانہ وار حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے — پھر کافروں کو بھاگتے ہی بنی تو پانچ کوس تک اور بعض روایات میں سات کوس تک جو تعاقب کیا گیا تو اس میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اکثر صحابہ زخموں سے اس قدر نڈھال تھے

کہ خود چل نہیں سکتے تھے — دوسرے ساتھی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے پھر بھی کفار کا تعاقب کئے جا رہے تھے۔

اور تین دن قیام رہا حضورؐ کا اُحد میں اب لکھنے والے لکھ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی اور مسلمانوں لکھ دیتے ہیں اور مفسر ہونے کے مدعی لکھ دیتے ہیں عجیب بات ہے یار اس سارے کے پیچھے پتہ ہے کیا جذبہ ہے صرف یہ کہ یہ سمجھتے ہیں کہ صحابی صرف نام ہے صحابی نام نہیں ہے — صحابی اندر کی کیفیات کا نام ہے۔ صرف فرد کا نام نہیں ہے — اگر فرد کا باطن نہیں بدلا تو پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہی کیا ہے

اور وہ ہستی آپؐ کی بعثت سے سینکڑوں کروڑوں سال پہلے جو فرد پیدا ہو وہ غائبانہ آپ پر ایمان لائے تو اُس کے اخلاقیات اعلیٰ ہو جائیں اور جو آپؐ کے سامنے بالمشافہ آپؐ کے نور عطا سے جو اپنی جھولیاں بھرے بھلا اس کا باطن کیسے تبدیل نہیں ہو گا — اُس کا باطن اتنا معیاری ہو گا کہ خدا نے قیامت تک آنے والی انسانیت کو کہہ دیا کہ مجھ تک پہنچنا ہے تو راستہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ ہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے علاوہ بھلا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو کہیں ہے کوئی کائنات میں ہے ہی نہیں۔

تو بھئی وقت ہو رہا ہے میں مختصر کر دوں اس بات کو یہ بات ختم ہونے والی نہیں اسکے لیئے عمریں چاہئیں — پندرھویں صدی آ گئی ہے لوگوں کو یہ باتیں کرتے کرتے انسانیت تھک ہار کر ختم ہو جائے گی یہ محبتیں اور اُن کے قصے ختم نہیں ہونگے۔

ان کی عظمتیں مثالی ہیں اور ان کے قد کی کوئی پیمائش نہیں کر سکتا — تو یہ کیفیت جو صحابہ میں منتقل ہو کر انہیں صحابی بنا گئی کیا یہ حضورؐ کے وصال کے بعد دنیا سے اٹھ گئی ہرگز نہیں اٹھی بلکہ صرف صحابی کی صحبت میں پہنچنے والا تابعی بن گیا اور تابعیت انسانی عظمت کا وہ معیار ہے کہ ساری دنیا کا بڑا عالم ہو مانا ہوا اُس کے سامنے جب تابعی کا قول دوہرا دیا جائے تو اُس گردن جھک جاتی ہے خواہ وہ تابعی مطلق ان پڑھ ہو کسی مدرسے میں نہ گیا ہو — لیکن صرف تابعیت حاصل کرنے سے اُسے انسانی عظمتیں اس قدر حاصل ہو گیئں کہ وہ جو کہتا ہے حق ہی کہتا ہے۔

دیکھو نا کمال تھا حضورؐ کا کہ آپؐ نے جس حال

میں جو کہا حق کہا — انسانی مختلف حالتیں ہوتی ہیں کبھی آدمی غصے میں ہوتا ہے کوئی بات کہہ دیتا ہے تو پھر معذرت کر لیتا ہے کہ بھئی ناراض نہ ہونا میں غصے میں تھا جذبات میں ایسا کہہ دیا اللہ کے رسول نے ساری زندگی کبھی معذرت نہ کی نہ اس کا موقع حضورؐ کو پیش آیا غصے میں بھی جو کہا حق ہی کہا اور مذاق میں بھی جو کہا تو وہ بھی حق ہی ارشاد فرمایا۔ حکم دیا تو حق تھا۔ روک دیا تو حق تھا۔ غصے کی کیفیت میں جو ارشاد فرمایا حق تھا کبھی اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور کسی سے ازراہ مذاق ہنسی ہنسی میں بھی کوئی بات فرما دی تو وہ حق ہی تھی — اس میں کوئی شائبہ جھوٹ کا نہیں تھا

صحابیت کیا ہے وہ ہی توفیق حق کو اپنے اندر سمو لینے کا نام تابعیت کیا ہے صحابی سے وہ توفیق حق اپنے اندر لے لینے کا نام کسی تابعی کا ارشاد جب آتا ہے تو یہ حرف پر کھا جاتا ہے کہ یہ بات واقعی تابعی کا ارشاد ہے کسی نے راستے میں تو نہیں کہہ دی جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ تابعین ہی کا ارشاد ہے تو ساری دُنیا کے علوم وہاں آکر ختم ہو جاتے ہیں سب کی گردنیں جُھک جاتی ہیں — اس طرح تابعین کی صحبت میں جو پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا اور تبع تابعین سے ہی یہ سلاسل سلوک و تصوف چلے ہیں یہ تصوف و سلوک اسی حق کی کیفیت کو انسانی اخلاق کی اُن بلندیوں کو صحبت میں بیٹھکر انعکاس طور پہ اپنے دِل میں منتقل کرنے کا نام ہے۔

اور اگر کوئی شخص کسی ولی اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر اپنے اخلاقیات کو سدھار نہیں سکا تو وہ یہ دیکھ لے کہ یہ کیفیت جنہوں نے حضورؐ سے حاصل کی مدینہ منورہ میں رہ کر کلمے پڑھ کر نمازیں پڑھ کر صحابی نہیں بنے منافق کہلائے جنہیں یہ کیفیات نصیب نہیں ہوئیں انہیں صحابیت نصیب نہیں ہوئی وہ منافق ہوئے اُن پر کیوں اثر نہیں ہوا اس لیئے کہ ان کے دل میں تصدیق نہیں تھی — انہوں نے اپنا دل کھولا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے برتن ہی اُلٹا رکھا۔ بارش تو برستی رہی اُن کے پیالے اُلٹے تھے۔

جب تک برتن دل کا سیدھا نہ کیا جائے تو قرب نبوت فائدہ نہیں دیتا تو دلی تو نبی کی گردِ یار کا ایک حقیر ذرہ ہوتا ہے وہاں سے کیا حاصل ہوگا — اور اگر کسی کو واقعی کسی اللہ کے بندے کی صحبت نصیب ہو اور اس کے اخلاق میں تعمیری تبدیلی نہ آئے تو اُس شخص کو

قلب سلیم

قادری

اِنّما الاعمال بالنیات

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ بہت سارے چھوٹے عمل ایسے ہوتے ہیں جنکو نیت بڑا بنا دیتی ہے اور بہت سے بڑے اعمال کو نیت ہی چھوٹا بنا دیتی ہے۔ نیت میں اللہ کی رضا۔ اس کی محبت۔ خضوع و خشوع وغیرہ کی کیفیت اخلاص کہلاتی ہے۔ نیت کا تعلق قلب سے ہے اور اصلاح قلب کا نام ہی تزکیہ نفس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ کامیابی اس کے لئے مقدر ہو چکی ہے جس نے اپنی اصلاح کر لی اور اپنا تزکیہ کر لیا، عمل کا کرنا پھر بھی آسان ہے بہ نسبت اصلاحِ قلب کے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (بخاری و مسلم)

دل درست ہو گیا تو سارا نظامِ زندگی و بدن درست اور جب دل بگڑ جائے تو پھر نیت میں فتور آ جائے گا۔ عمل غلط ہونگے جن کے نتائج بھی پھر گندے نکلیں گے۔ جسم انسانی میں قلب کی حیثیت وہی ہے جو ایک ملک میں بادشاہ کی ہوتی ہے۔ یہ درست ہے تو عام اعضاء و جوارح جو اس بادشاہ کی فوج ہے۔ وہ بھی خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے

انسانی زندگی کا مقصد رب کائنات نے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط زندگی اور موت یہاں آنے اور رہنے کا مقصد ہی حسنِ عمل، اچھے کام کرنا، اپنی پسند اور ارادے کو اللہ اور رسولؐ کی پسند کے تابع کر لینا ہے۔ ایک بیمار دل کے لئے یہ سارے کام مشکل ہیں۔ لہٰذا قلوب کی بیماریوں اور علاج کیصورت کیا ہوگی اس کا جاننا ضروری ہے۔

قلوب کی بیماریاں

خیالات کی ایک ٹریفک (TRAFIC) ہر لمحے

قلب سے گندتی رہتی ہے۔ ان میں سے غلط نظریات اور گندے خیالات قلب کی لطافت کو متاثر کرتے ہیں۔ پھر اعمال کا اثر اس کو زنگ آلود کر دیتا ہے کہ اس کی نیکی اور بدی کرنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ حسد، کینہ، ریا، بغض، تکبر، دُنیا کی بے جا محبت اعمالِ صالحہ سے بے رغبتی یا قلب کا اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونا آج کل کی عام بیماری یعنی دورانِ نماز بھی قلب کا اللہ سے غافل ہونا۔ نمازیں ذہنوں میں TAPE ہیں۔ بدن آٹومیٹک حرکات کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ نماز ختم ہو جانے پر ہی پھر دل و دماغ حاضر ہوتے ہیں۔ ایسی نمازیں بھی لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ میں شامل ہیں۔ دُنیا کا یہ نشہ نماز میں بھی نہیں اُترتا۔ کہ توجہ اُدھر سے ہٹ نہ سکی اللہ کریم یاد نہ آئے اور قلب بدستور غافل رہا۔ ایسی نمازیں عادت کے زمرے میں تو آتی ہیں لیکن عبادت نہیں بن سکتیں۔

علاج

جسمانی بیماریوں کی طرح قلب و روح کی بیماریوں کے بھی معالج ہوتے ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تزکیۂ نفس والی ڈیوٹی کو آپ کے نائب کی حیثیت سے ہر زمانے میں ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ قلب کی ان بیماریوں کی دوا وہ تجلیات ہیں جو حضور کے واسطے سے سینہ بسینہ ہر چہار سلسلہ ہائے طریقت میں چلے آرہے ہیں۔ حضور سے الفاظ کے ساتھ وہ کیفیات و برکات بھی چلی آرہی ہیں اور اللہ والوں کی صحبت اسی وجہ سے وہ منبع و سرچشمہ ہے۔

جہاں یہ کیفیات و برکات میسر آتی ہیں اسی بناء پر غالباً کسی عارف نے کہا ہے

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء

یہی وہ لوگ انعام یافتہ ہیں جن کا راستہ پا لینے کے لیئے نماز کی ہر رکعت میں ہم دُعا کرتے ہیں انہی کے دامن تھام لینے کا اللہ نے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین کے الفاظ میں حکم فرمایا ہے۔ اِنَّ ھٰذِہِ القُلُوبُ تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء ..... الخ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے لوگو! تمہارے دلوں کو اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جبطرح لوہے کو پانی سے، زنگ لوہے کو کمزور کر دیتا ہے۔ ایسے ہی گناہ کا اثر دل کی قوتِ مدافعت گناہ کو کمزور کر دیتا ہے۔ لیکن زنگ Paint سے لوہا پانی اور دیگر اثرات سے جبطرح محفوظ ہو جاتا ہے دلوں پر اللہ کی خشیت و محبت اور اخلاقِ نبوی کا پینٹ جب ہو جائے

تو گناہوں کے زنگ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ پینٹ اللہ والوں کے پاس ہی ہوتا ہے۔ کیفیات پینٹ ہیں اور اللہ والے اس کے پینٹر، ان کی صحبت اور تلاش فرض ہے کہ جن کی صحبت ان زنگ آلودہ قلبوں کا علاج کر کے ان کو صبغۃ اللہ کا آئینہ دار کر دیتی ہے۔ قلوب متوجہ الی اللہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں اللہ کی محبت خدا کی رضا کو پا لینے کی تڑپ نیکی و بدی حرام و حلال میں تمیز کر لینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور بندۂ مومن سقیم قلب سے سلیم القلب بنجاتا ہے۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم میدان حشر میں مال و اولاد کوئی چیز کارآمد نہ ہوگی۔ وہاں تو صرف قلب سلیم ہی کام آسکے گا۔

تمام عبادات کا مقصد بھی قلب میں اللہ کی محبت پیدا کرنا ہے جس دل میں یہ محبت خلوص للہیت ہو وہی قلب سلیم ہے۔ یہ سب کچھ کر لینے کی مہلت یہی چند لمحے ہیں۔ سوچئے تو کہیں یہ قیمتی کرنسی بے جا ضائع تو نہیں کر رہے۔

طریق عبادت سے واقفیت کا نام علم دین (شریعت) ہے۔ دلچسپی شوق و رغبت اور محبت سے عبادت کرنے کا سلیقہ طریقت کہلاتا ہے جو شریعت کی روح ہے۔ جس کے بغیر علم پر عمل نہیں ہو سکتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو بے مزہ اور ناپائیدار

بقیہ اسرار التنزیل

سوچنا ہوگا کہ کیا میں صرف جسم لے کر جاتا ہوں یا میرا دل بھی میرے ساتھ جاتا ہے چونکہ ان کیفیات کو انعکاسی طور پر اخذ کرنا یہ دل کا کام ہے اور دل صرف دل سے اخذ کرتا ہے دل کی بات کو کان نہیں سنتے دل کی کیفیات کو ذہن نہیں پاتا — دل کی کیفیات کو دل ہی پاتا ہے

تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت عالیہ میں جو نعمتیں بٹیں انہوں نے ایک عام آدمی کو اس کے عمومی مقام سے اٹھا کر صحابیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا — جو ان کی صحبت میں پہنچے حضور اور ان کے درمیان صحابہ واسطہ بن گئے اس لیئے وہ صحابی نہ بنا — تابعی بن گیا — جو تابعین کی صحبت میں ایک لمحہ پہنچا وہ تبع تابعین بن گیا — اور تبع تابعین کے بعد اہل اللہ کی باری آئی جو بھی ان کی مجلس میں بیٹھا اور اپنے دل کو ان کے دل کی طرف متوجہ کیا فیوضات و برکات کو وہاں سے حاصل کیا۔ ولایت خاصہ کو پا گیا — اور یہ دروازہ قیامت تک کھلا ہے ہر مرد و عورت کیلئے اور ہر مسلمان کیلئے کہ وہ ولایت خاصہ کو حاصل کرے مرد ہو یا عورت ہو عالم ہو یا جاہل ہو یہ کسی کی جاگیر نہیں ہے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحمۃ اللعالمینی کا فیض ہے۔ خداوند مجھے اور آپکو تمام احباب کو اور جملہ مسلمانان کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب فرمائے۔ (آمین)

جنت کے باسی

سیدۃ النساء العالمین
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمِ ماریہ کوہاٹ

امی جان اللہ کی قدرتیں تو ہم ہر وقت دیکھتے ہیں — اللہ تعالیٰ خود نظر نہیں آسکتے —— ؟

ماں نے بڑے پیار سے فرمایا "میری بچی اگر ہم دنیا میں اچھے کام کریں گے — اللہ کریم کے احکامات پر عمل کریں گے تو قیامت کے دن اللہ کی خوشنودی کے مستحق ہونگے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا" حضرت فاطمۃ الزہراؓ —— بچپن سے ہی نہایت متین اور ذہین اور تنہائی پسند تھیں۔ ہمیشہ اپنی والدہ ماجدہ یا پھر رسولِ کریمؐ سے ایسے ایسے سوال پوچھتی رہتیں — حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات سے سیدہؓ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا — اب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب فرصت ملتی انہیں دلاسہ دیتے اور نہایت قیمتی نصائح سے نوازتے۔

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا رفتار و گفتار عادات و خصائل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بہترین نمونہ تھیں، گھر کا تمام کام خود کرتیں — چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے — اکثر اوقات فقر و فاقہ میں بسر ہوتے — ایک مرتبہ شہنشاہِ دوجہاں تشریف لائے تو دیکھا بیٹی نے اونٹ کی کھال کا لباس زیب تن کیا ہوا ہے — تیرہ ۱۳ پیوند اس میں لگے ہوئے ہیں — ہاتھوں سے آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے — شفیق باپ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے فرمایا: ——

"بیٹی دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کرو اور آخرت

کی دائمی مسرت کا انتظار کر۔۔۔ اللہ تمہیں اچھا اجر دے گا۔۔۔"

ایک مرتبہ حضرت بتول رضی اللہ عنہا مسجدِ نبوی میں تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا سرورِ کونین کو دیا۔۔۔ حضورؐ نے پوچھا "کہ کہاں سے آیا ہے"

سیدۃ النساءؓ نے جواب دیا۔۔۔ ابا جان تھوڑے سے جو مل گئے تھے پیس کر بچوں کو کھانا کھلا رہی تھی تو آپؐ کا خیال آیا۔ ابا جان آپ نے کچھ کھایا یا نہیں ہمیں تو یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے حضورؐ نے روٹی لیکر تناول فرمائی اور فرمانے لگے میری بچی! چار وقت کے بعد یہ پہلا ٹکڑا تیرے باپ کے حلق سے نیچے اترا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے اور فرمانے لگے فاطمہؓ کچھ کھانے کو ہے؟"

سیدہؓ نے جواب دیا "آج تیسرا دن ہے گھر میں تو جو کا دانہ تک بھی نہیں"

فرمایا۔۔۔ فاطمہؓ تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔۔۔!!

جنت کی عورتوں کی سردار بولیں میرے سرتاج میرے باپؐ نے رخصتی کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کبھی سوال کر کے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔۔۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔۔۔ سیدۃ النساء کے بارے میں سید البشرؐ کا یہ ارشاد کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے فوراً یاد آگیا۔"

قبیلہ بنو سلیم کا ایک بوڑھا ضعیف آدمی مسلمان ہوا۔۔۔ دین کے ضروری احکام و مسائل بتانے کے بعد فخرِ دو عالمؐ نے پوچھا تیرے پاس کچھ مال بھی ہے۔۔۔ عرض کرنے لگا "بنو سلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سے سب سے زیادہ غریب ہوں"۔

۔۔۔ سردارِ دو جہاںؐ نے اللہ کریم کی منتخب کردہ ہستیوں (صحابہؓ) پر نظر ڈالی اور فرمایا۔۔۔ اس مسکین کی کون مدد کرے گا"۔۔۔ تھوڑی بہت مدد کے بعد فرمایا۔۔۔ اب اس کی خوراک کا بندوبست کون کرے گا؟

حضرت سلمان فارسیؓ نے اس اعرابی کو ساتھ لیا چند گھروں سے جب کچھ نہ ملا تو حضرت فاطمہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ اے اللہ کے سچے رسولؐ کی بیٹی اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجئے۔

فخر النبیینؐ کی اس سب سے چھوٹی صاحبزادی نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "اے سلمانؓ" خدا کی قسم تیسرے روز سے فاقہ ہے بچے بھوکے سوئے ہیں۔ لیکن سائل کو خالی نہ جانے دونگی! یہ میری چادر شمعون یہودی کو لے جا کر دے دو اور کہنا فاطمہؓ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اس غریب انسان کو تھوڑی سی جنس دے دو"۔۔۔ یہودی کو جب پیغام پہنچایا گیا

تو وہ حیران ہو کر بولا ـــ سلمانؓ انہی لوگوں کی خبر توراۃ میں دی گئی ہے ـــ "

اس نے اسلام قبول کر لیا کچھ غلہ دے دیا لیکن چادر بھی ساتھ ہی واپس کر دی۔ آٹا پیس کر کھانا تیار ہوا تو حضرت سلمانؓ نے کہا کچھ بچوں کے لئے بھی رکھ لیجئے " جواب میں فرمایا

"سلمانؓ جو چیزیں راہِ خدا میں دے چکی ہوں وہ میرے بچوں کیلئے جائز ہی نہیں۔"

امام الانبیاء کو جب سارا واقعہ سنایا گیا تو آپؐ نے دعا فرمائی ــــــــــ

"الٰہی فاطمہ تیری کنیز ہے اس سے راضی رہنا۔

حضرت فاطمہؓ اس فقر و غنا کے ساتھ کمال درجہ کی عابدہ، زاہدہ تھیں ـ لیکن اپنے ربِ کریم سے ہمیشہ دنیا کی بجائے آخرت کی نعمتوں کی طلبگار رہتیں ـــ ایک مرتبہ ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ـ" بیٹی مسلمان عورت کے اوصاف کیا ہیں

عرض کی ابا جان! اللہ اور رسولؐ کی اطاعت اولاد پر شفقت! نگاہوں کو نیچے رکھنا اپنی زینت کو چھپانا نہ کہ خود غیر کو دیکھے اور نہ غیر ہی اس کو دیکھ پائیں ـــــــ "

ختم الرسلؐ اس جواب سے بہت خوش ہوئے"

اے میری بہنو! جنت کی سب عورتوں کی سردار کے یہ چند واقعات پڑھنے سے یقیناً آپ سب کے دل بھی متاثر ہوئے ہونگے ـــ لیکن آئیں ذرا ہم سوچیں تو ان عارضی گھروں میں فرنیچر، فریج، ٹیلیویژن اور زندگی کی ہر سہولت کی ہم میں سے کسے خواہش نہیں؟

لیکن جنت جو ہمارا اصلی اور دائمی گھر ہے کیا اس کی آرائش اور وہاں کی راحتوں کی بھی کبھی فکر کی ہے ـ کیا گھر کے بجٹ میں کوئی آخرت کی خریداری کا خانہ ہے ـ شب و روز کی مصروفیتوں میں کوئی گھڑی اپنی دائمی زندگی کی آسائشوں کے لئے اور ملنے جلنے والوں میں کیا اپنے رب سے ملنے کا بھی کوئی لمحہ ہے !!؟

خاتونِ جنتؓ کے کردار کے شیشے سے یقیناً یہ سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے ! اللہ رحیم و کریم اس سوچ اور فکر سے ہم سب کو نوازیں (آمین)

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے
جسطرح جسمانی صحت کیلئے
آپ خوراک کا خیال رکھتے ہیں
اسی طرح روحانی صحت کی
خوراک کا بھی خیال رکھیئے!

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

صوفی محمد اسلم

راہ حیات میں پچاس لمبے سال سفر کرنے کے بعد جن راہوں سے ہوتا ہوا آج اچانک جس مقام پر آپہونچا ہوں وہاں سے پچھلی تمام مسافتیں میرے سامنے ہیں۔ میری اس منزل میں آج کوئی بھی میرا ساتھی نہیں۔ میرے اس انجانے سفر کا خاکہ مبہم مبہم سہی مگر میرے سامنے ضرور ہے۔ اس انجانی منزل اور نادیدہ سفر کی روداد احاطۂ قلم سے باہر ہے۔

اس نادیدہ اور ناشنیدہ سفر کا انجام نجانے کیا ہوگا مگر یہ کہنا ضرور ہے کہ اگر یاد فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تو سفر ضرور مقبول ہے۔ سفر کتنا بھی مشکل اور تن تنہا ہی مگر جب رہبرِ کامل ہے تو پھر شرطِ یقین حاصل ہے مگر یہ بھی جب ہے کہ پچھلے اوقات تابعداریٔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذرے ہوں ــــ اللہ رحیم وکریم توفیق ارزاں نصیب فرمائے ــــ آمین

مجھے یہ کہنا ضرور ہے جو سچائی سے بھرپور ہے کہ میری پچاس سالہ منزلوں کے ساتھی ہمسفر، دوست اور دشمن، واقف کار واحباب، عزیز واقربا، شناسا وغیر شناسا غرضیکہ سب میرے سامنے ہیں کوئی بھی نہیں جو آنکھوں سے اوجھل ہو مگر کوئی بھی مجھ سے بولنے اور گفتگو کرنے پر تیار نہیں کوئی بھی میری درخواستوں اور عرض داشتوں کا جواب نہیں دے رہا۔ سب مجھے پہچانتے تھے۔ ہائے یہ کیسا وقت آگیا۔ کوئی بھی واقفِ حال اور شناسا نہ رہا۔ آج ہم کتنے بے آسرا ہوگئے

پچاس سالہ پچھلے اوقات کی یادوں کا بھرپور تاثر قائم ہے مگر آج میں اکیلا خالی ہاتھ ــــ حیران و پریشان لاوارث بنا سوچ رہا ہوں کہ یہ انجانا سفر ہے اور یہاں جہاں کہ میری زبان بھی سمجھنے والا کوئی نہیں تو پھر یہ مسافت کیونکر طے ہوگی ــــ افسوس صد افسوس! کہ جن کو میں نے آوازیں دیں ان میں

سے کسی ایک نے بھی میری آواز نہ سُنی ۔ اگر سُنی تو ان سُنی کر دی ۔ زندگی بھر جن سے ہم رشتے بناتے رہے اور تعلقاتِ خلطِ استوار کرتے رہے ان میں سے کوئی ایک بھی نہ نکلا جو میرا دم بھرتا جن کیلئے میں بے قرار و مضطرب رہا اور جن کے آرام و سکون کی خاطر میں بے تاب ہوتا رہا وہی میرے اپنے نہ تھے ۔ وائے افسوس آج پردے کھُلے اور ہم بے آسرا نکلے ۔

اس پچاس سالہ دورِ سفر میں ہر جگہ ملکیت کے انوکھے بول سُنے ۔ یہ جائیداد میری ۔ یہ زمین میری ۔ یہ رقم میری ۔ یہ دکان میری ۔ یہ کارخانہ اور مِل میری ۔ یہ کوٹھی میری ۔ یہ کار میری یہ بیوی میری ۔ یہ اولاد میری ۔ یہ ارادت میری یہ برادری میری ۔ یہ دھن دولت کی فراوانی میری یہ کھیتی میری ۔ یہ باغ میرے ۔ یہ تعلق دار میرے یہ ساتھی میرے ۔ یہ مخاطب میرے ۔ یہ یار میرے ۔ ایک ایک شے کا مالک ۔ چپے چپے کا مالک اور مرلے مرلے کا مالک بنا بیٹھا دیکھا ۔ نہ دیکھا تو دین متین کا مالک ۔ کسی نے نہ کہا کہ دین میرا ہے ۔ ہائے کس مصیبت اور حماقت میں گرفتار رہے ۔ آج پردہ اُٹھا تو پتہ چلا کہ پیارے دین کی پیروی اور رکھوالی سے ہی عزت و آبرو تھی مگر آج اپنی آبرو بھی گنوا بیٹھے ۔ ہائے بھری دُنیا میں بے آبرو ہو گئے ۔ وائے افسوس کہ کچھ ہاتھ نہ آیا ۔ دُنیا کے ہجوم میں گُم ہو کر میں نے جو لوگ چُنے اور جنکو اپنا بنا کر میں چلتا رہا وہ لوگ بھی مجھے اُس دوران حماقتوں میں مبتلا کرتے رہے ۔ میں اُن سے مراسم نباہتا رہا اور حتی المقدور ان کے دُکھ اور سُکھ میں شریک ہوتا رہا ۔ ان کے نفع و نقصان ۔ فائدے اور خسارے کا حصہ دار بنتا رہا مگر وہی لوگ تو میرے اصل بیگانے تھے ۔ میں تو بیگانوں سے تعلق جوڑتا رہا ۔ یہ پردہ تو آج ہی اُٹھا ہے ۔

پچاس سالہ منزلوں کی بھاگ دوڑ اور بادیہ پیمائی میں نجانے کہیں نخلستانِ حیات آئے ہونگے ۔ اِن سرسبز اور شاداب جگہوں پر میں نے چند ساعتیں قیام کیا ہو ۔ مگر میرے نقش پا وہ ثبوت فراہم کرنے کیلئے کافی ہیں کہ کسی جگہ میں نے کتنا عرصہ قیام کیا تھا اور ان خنک حالات میں کتنی محنت اور جانفشانی سے میں نے اعمالِ صالحہ کی پونجی جمع کی تھی اور کن اوقات میں یہ جہد کامل اور یہ عشقِ مسلسل میرے دل کی نگاہ سُوئے یار تھی ۔ وہی چند لمحات اس ہستی فانی میں ثبات والے سمجھے تھے مگر وائے افسوس کہ آج جب پردہ اُٹھا تو وہ بھی نا کامل نکلے افسوس کہ کچھ ہاتھ نہ آیا ۔

زندگی کے بھرے بازار میں پچاس سال

بھرتا رہا — ہر طرف دکانیں تھیں — رنگا رنگ دکانیں — شوخ و شنگ دکانیں — پرکشش جاذب نظر — ہمہ تن متوجہ کرنے کے لیئے کیا کیا جتن نہ کیئے گئے تھے — لوگوں کی بھیڑ تھی اپنی اپنی پسند کی خرید میں ہر کوئی مصروف تھا — اس بھرے بازار میں دین کا بورڈ آویزاں کر کے بعض نے دکانوں کو خوب چمکا رکھا تھا اور کتنے گذرنے والوں کو اپنے جال میں اُلجھا رہے تھے — پھنسا رہے تھے اور لوگ بھاگ بھاگ خوش فہمی میں انکی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے — حالانکہ وہ راہِ راست سے دُور جا رہے تھے — میں بھی ان نام نہاد مذہبی شرفا کی طرح کتنے سال دین کے جھوٹے دعوے داروں کی دکانوں کا اسیر رہا — میں نے دکان دکان پھیری — مگر کسی جگہ بھی صحیح اور پیار و اقرار کا سلوک و احسان نہ پایا۔

اس پچاس سالہ سفر میں بڑے عالم و فاضل دیکھے — بڑے وعظ سُنے — کئی قاضی اور فقیہ اپنے اپنے اندازِ گفتگو سے مسحور کرتے رہے — کئی خطیب اپنی اپنی تقاریر کو خوش الحانی کے روپ میں متاثر کرنے کی کوشش ناتمام میں مصروف رہے — کئی مفسر اور شیخ اپنے اپنے فن کو اُجاگر کرتے رہے اور کئی شیخ الحدیث حدیث پاک کا سہارا لے کر اپنے مخاطبوں کو تسخیر کرنے میں مصروف رہے — اور کئی شیخ القرآن نے قرآن کریم کے متبرک نام سے اپنے وقار کا بھرم رکھنے میں مبتلا رہے اور مختلف ابوابِ دین و دُنیا پر سیر حاصل بحث میں مصروف رہے مگر کوئی بھی ان میں تسخیرِ قلوب کا باب بیان نہ کر سکا۔ کوئی بھی ایسا نہ نکلا جو جادۂ حق اور راہِ صدق و وفا کی نشاندھی کرتا — اذہان شوریدہ کو مطمئن کرتا اور قلوب خوابیدہ کو بیدار کرتا — اس سفرِ حیات میں صرف ایک بندۂ خدا ملا، جس نے بساطِ کم مائیگی لپیٹ کر صدق و یقین کی وہ شمع روشن کی جس کے اُجالوں نے قلب و رُوح کی تاریکیوں کے غبار کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ اسی امام وقت نے راہِ سلوک کا راز سمجھا دیا اور اپنے بخشش و کرم کی بے پناہ سخاوتوں سے وہ کچھ عطا فرما دیا جس سے یہ راقم تہی دست تھا — اسی امام وقت کی آواز نے وجدان میں ترقی اور منازل میں رہنمائی کی اور سالکوں کے قلوب کو یقین و احسان کی مئے پرمست سے معمور کر دیا — اس ہستی کامل کی صحبت گراں مایہ کے چند لمحات سرمایۂ حیات نکلے — یہ راز تو آج کھلا ہے۔

اس پچاس سالہ سفرِ حیات میں ایک وہ مُبارک مقام بھی آیا جہاں ثبوت لاالٰہ تھا اور جہاں وحدتِ فکر کی کمال یقین دلانی تھی۔

تو کچھ وہ مبارک بھی اوقات تھے جب روئے سخن ان کے ساتھ تھا — وہ ہی مبارک لمحات تھے جب ان کے التفات تھے — وہی لمحات تو زینتِ حیات تھے — زیست کو عنوانِ زیست ان ہی کے فیضِ نظر سے مِلا تھا — اگر کچھ متاعِ حیات تھی تو وہی نگاہِ پیار والتفات تھی جو نہ صرف زینتِ زیست تھی بلکہ زینتِ کُل کائنات تھی — اسے ہی سینے سے لگایا تھا اور بسایا تھا — یہی ایک پیار کا ثمر ملا جو شاید مقبول ہو جائے — اس کے ماسوا اور کچھ نہ نکلا یہی بچایا تھا جو کہ پایا تھا۔

اس امامِ وقت کے جانشینِ صادق رمز شناسِ فطرت، واقفِ اسرارِ معرفت، سرتاجِ سالکاں، سرورِ عاشقاں، مرادِ سالکاں اعلیٰحضرت جناب مولانا محمد اکرم صاحب نے (جن کے قدموں کی خاک بھی اگر میں بن جاؤں تو حقِ محبت ادا نہ ہو گا) ایک دن اس روسیاہ راقم پر وہ نگہہ شفقت و التفات کی تھی اور وہ احسانِ عظیم کیا تھا جس کے بارے میں راقم روسیاہ کا ذہن کبھی قیاس بھی نہ کر سکتا تھا ان کا یہ احسان یومِ حشر تک یاد رہے گا — ان کے توسط سے ہی عطا شدہ چند وہ لمحات تھے جو بنے کُل کائنات تھے — اس وقت ہم کتنے شاداب تھے جب میرے دل وجان سے پیارے شیخ میرے ساتھ تھے — وہی چند لمحات کتنے باصفات تھے جو بنے نقوشِ حیات تھے — ان عطاؤں کے بیان سے قلم قاصر ضرور ہے مگر اظہارِ وفا کا اقرار ضرور ہے — جو تبرّ ملا ہے اور بے ریا ہے — کیونکہ میری محرومیوں کی ان کے پاس ہی دوا ہے — ان کی اِک نگہہ شفقت میں ہی پوشیدہ شفا ہے جناب کے ایک ایک سخن کی بشاشت ہی رُوح کے واسطے جاں فزا ہے — جناب کی ادائے اُلفت میں پوشیدہ صد دوا ہے — جناب کے طفیل ہی مجھے ملا وہ ہادی و رہنما ہے جو کہ محبوبِ کبریا ہے — وہی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ساقیٔ روزِ جزا ہے — یہی میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا لاریب معجزہ ہے — مجھے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رحمتوں کا ہی آسرا ہے — میری بے تاب سی تمناؤں کا یہی مجموعہ ہے جو ان کے حضور ہُوا ادا ہے ان کی نگہہ شفقت اور پیار کا انتظار ہی میری زیست کا مدعا ہے۔

تین نصیحتیں

حضرت شاہ ولی اللہ رحم

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تین نصیحتیں مصنوعی پیروں کے طلسمات، جعلی فقیروں کے دھوکے اور پھر صوفیائے کرام کی نسبت کے فوائد اور صحابہ اور امام کے متعلق حضور کی تصدیق اور وضاحت قارئین کی اصلاح نفس، اصلاح عقائد کیلئے پیش خدمت ہیں (قادری)

پہلی وصیت یہ ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ کے ہاتھوں میں ہاتھ ہرگز نہ دینا چاہیے نہ ان کی بیعت کرنا چاہیے عوام کے ہجوم اور کرامات کا دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ عوام کا ہجوم اکثر رسمی ہوتا ہے اور رسم کا حقیقت کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس زمانہ کے کرامات فروش (الاماشاء اللہ) طلسمات اور فریب سازیوں کو کرامات سمجھے ہوئے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خرقِ عادت یا کرامات کی مشہور قسمیں اشراف (دوسروں کے دلوں کے ارادوں کو معلوم کرنا) اور آئندہ کے واقعات کا انکشاف ہے اور اس اشراف اور انکشاف کے بے شمار طریقے ہیں۔

ازاں جملہ نجوم اور رمل کا علم بھی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ علم نجوم میں حکم لگانا، تسویۃ البیوت (خانوں کی برابری) پر موقوف ہے اور رمل کیلئے زائچہ درکار ہوتا ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ علم نجوم کا ماہر جب معلوم کر لیتا ہے کہ دن کی ساعتوں میں اب کونسی ساعت ہے تو یہاں سے اس کا ذہن "طالع" کی طرف منتقل ہوتا ہے اور تمام خانے

اور ستاروں کی جگہیں اس کے ذہن میں منقور ہو جاتی ہیں ایسی کہ گویا خانوں کی برابری اس کے سامنے کھڑی ہے۔ ایسے ہی رمل کے فن کا ماہر کبھی اپنے دل میں متعین کر لیتا ہے کہ فلاں انگلی کو میں نے لحیان (رمل کی ایک شکل - مترجم) قرار دے لیا ہے اور فلاں انگلی کو فلاں شکل۔ تب اس کے ذہن میں آجاتا ہے کہ ان شکلوں سے کونسی شکل پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا زائچہ سامنے آجاتا ہے۔

اور ازاں جملہ اپنی مختلف قسموں میں کہانت بھی ہے اور یہ فن بہت وسیع ہے کبھی جنوں کی حاضری سے اور کبھی انکی حاضری کے بغیر بھی۔

اور ازاں جملہ ایک طلسم کا باب بھی ہے جو ستاروں کی قوتوں کو ایک صورت میں بند کرتے ہیں اور اُن سے اشراف (دوسروں کے دلوں کا حال معلوم کرنا) حاصل ہو جاتا ہے۔

اور "جوگ" کے عمل بھی ہیں کہ جوگیوں کی بعض نظروں میں اشراف اور کشف کے سلسلے میں پوری خاصیت ہے۔ جو شخص ان معاملات میں تحقیق چاہتا ہے اسے ان فنون کی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کسی کام پر "توجہ" دینا، کسی مہیب شکل میں ظاہر ہونا اپنے دل کا دباؤ کسی کے دل پر ڈالنا اور طالب کو مسخر کرنا، یہ سب فریب آفرین فنون میں سے ہے۔ ایسی چند نگاہیں اور ملاحظات ہیں جو اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ صلاح و فساد، سعادت و شقاوت اور مقبول و مردود ہونا یہاں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا اور حاضرین میں وجد و شوق، بے قراری اور مسرت بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ان کوائف کا منشا اور محرک قوتِ بہیمیہ (حیوانیت) ہے۔ لہذا جس کی حیوانیت قوی تر ہے، اس کا وجد بھی پُر جوش ہوتا ہے۔ البتہ یہ اعمال اور ایسے افعال بعض نیک لوگ بھی کسی نیک نیت کی وجہ سے کرتے ہیں اور یہ چیز ان اعمال کو کرامات نہیں بنا دیتی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

ہم نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ جب ایسے اعمال کسی شیخ میں دیکھ پاتے ہیں تو ان کو عین کرامات یقین کر لیتے ہیں۔ صحیح چارۂ کار یہی ہے کہ حدیث کی کتب مثلاً صحیح بخاری، مسلم، سنن ابی داؤد اور ترمذی اور پھر فقہ حنفی اور شافعی کی کتب پڑھی جائیں اور ظاہر سنت پر عمل کیا جائے اور اگر حق سبحانہ و تعالیٰ دل میں سچا شوق عنایت فرمائے اور اس راہ کی طلب غالب ہو تو کتاب "عوارف" میں سے نماز روزہ اور دیگر اذکار سے اپنے اوقات کو رونق بخشے نقشبندیوں[1] کے رسائل طریقت میں شمائل حاصل کرنے میں مفید ہیں۔ ان بزرگوں نے ان سر دو

۱؎ رسائل نقشبندیہ جیسا کہ کلمات قدسیہ بہاؤالدین نقشبند اور نقرات عبداللہ احرار اور دوسرے کلمات باقی باللہ اور مکتوبات مجدد اور ایسے ہی دیگر رسائل الرشاد وغیرہ۔

باب میں ایسے طریقے سے روشن کردیا ہے کہ کسی مرشد کی تلقین کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔

جب عادت کے نور کی کیفیت اور یاد داشت کی نسبت حاصل ہوجائے اس پر مواظبت یعنی مسلسل عمل کیا جائے اور اگر اس اثنار میں کوئی بزرگ ملجائے جسکی صحبت کی تاثیر لوگوں میں اثر کرتی ہو تو اس کی صحبت اختیار کرے یہاں تک کہ مطلوبہ حالت بلکہ ملکہ بنکر طبیعت میں راسخ ہوجائے اس کے بعد گوشہ میں بیٹھ جائے اور ملکہ راسخہ میں مشغول رہے اس زمانہ میں ایسا کوئی نہیں، اِلا ماشاء اللہ جو من کل الوجوہ کمال رکھتا ہو۔ اگر کسی ایک وجہ سے باکمال ہے تو دوسری وجہ سے خالی ہوگا۔ پس جو کمال موجود ہے وہی حاصل کرلینا چاہیے اور دوسری چیزوں سے چشم پوشی کرلینی چاہیے "خُذ ما صفا وَدَعْ ما کَدَر" (جو صاف ہے لے لو اور جو گدلا ہے اُسے چھوڑ دو)

صوفیائے کرام کی نسبت بہت بڑی غنیمت ہے اور اس کی رسمیں لاشے محض ہیں۔ یہ بات اکثر لوگوں کے دلوں پر گراں ضرور ہوگی لیکن مجھے ایک کام پر مامور فرمایا گیا ہے مجھے اس کے مطابق کہنا ہے اور کسی عمرو زید کے کہنے پر انحصار اور توقف نہیں کرنا چاہیے۔

دوسری وصیت

جاننا چاہیے کہ ہمارے اور اس زمانہ کے مشائخ کے درمیان اختلاف ہے۔ صوفی منش لوگ کہتے ہیں کہ اصل مطلوب شے فنا اور بقار اور استہلاک (طلب ہلاکت) اور انسلاخ (خودی کا ترک) ہے اور معاشی مسائل کی نگہداشت اور بدنی اطاعتوں کا قائم رکھنا جن کا شریعت نے حکم دے رکھا ہے، صرف اس لئے ہے کہ ہر کوئی اس اصل مذکورہ حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔"

جو شے پوری نہ حاصل ہوسکتی ہو وہ ساری کی ساری چھوڑ بھی نہ دینی چاہیے) علم کلام والے کہتے ہیں کہ جو کچھ شرع میں آچکا ہے، اس کے سوا کچھ مطلوب نہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کی صورتِ نوعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرع کے بغیر کوئی چیز سرے سے مطلوب نہیں اور حضرت شارع علیہ السلام نے اس اصل کو پورا پورا خاص وعام کیلئے بیان فرمایا ہے۔

اس کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی نوع اسی وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ یہ ملکی قوت اور بہیمی (حیوانی) قوت کی جامع ہے۔ اس کی سعادت ملکی قوت کو مدد دینے میں ہے اور اس کی شقاوت اور بدبختی بہیمی قوت کو تقویت دینے میں۔ یہ ایسی صورت میں پیدا ہوا ہے کہ اس کا نفس اعمال اور اخلاق کے رنگوں کو قبول کر کے انہیں اپنے اندر محفوظ کرلیتا ہے اور موت کے بعد انہیں اپنے ہمراہ لیجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس کا جسم غذا کی

کیفیتوں کو لے کر جزو بدن بنالیتا ہے اور اسی وجہ سے بدہضمی اور تپ جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور جس دوسری روحانی وجہ سے انسان پیدا ہوا ہے ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کے مقام (حظیرۃ القدس) سے اس کا الحاق ہوجائے اور وہاں سے الہام حاصل کرلے اور پھر وہ کچھ بھی، جو الہام کے ضمن میں آسکتا ہے، اگر ملائکہ کی طرف میل رکھتا رکھتا ہوگا تو سرور وراحت حاصل کرے گا اور اگر ان سے نفرت کی کیفیت رکھتا ہوگا تو تنگی اور وحشت

غرض چونکہ انسانی نوع اسی وجہ سے ظہور میں آئی تھی اگر انسان کو انسان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو نفسانی بیماریاں اکثر افراد کو دکھ دیتیں. اس لیئے حق سبحانہ، تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے انکی کارسازی فرمائی اور ان کیلئے نجات کی ایک راہ متعین کردی اور لسانِ غیب کے ترجمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہی میں سے ان کی طرف بھیجا تاکہ نعمت پوری ہو اور وہ الومیت الٰہیہ، جو شروع میں ان کے پیدا کرنے کا منشا رتھا، دوسری بار ان کے ہاتھ لگ جائے پس ان کی صورتِ نوعیہ نے اپنی زبانِ حال سے شرع کو مبدأ فیاض سے مانگ لیا اور چونکہ انسان میں صورتِ نوعیہ سرایت کیئے ہوئے تھے. اس لیئے اس کا حکم تمام افرادِ نوع کے لیئے لازم ہے. اس میں افراد کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں. اور فنا، ابقا استہلاک وغیرہ خصوصیت کے اعتبار سے مطلوب ہوتے ہیں اس لیئے کہ بعض افراد تنہائی کے انتہائی غلو میں پیدا ہوتے ہیں. اس لیئے خدا تعالیٰ ان کو ان کی راہ دکھا دیتا ہے اور یہ شریعتوں کا حکم نہیں بلکہ اس خاص فرد کی زبانِ حال نے اس کی انفرادی خصوصیت کی وجہ سے یہ تقاضا کیا ہے شارع علیہ السلام کا کلام ہرگز اس پر محمول نہیں نہ تصریحًا نہ اشارۃً

ایک گروہ نے ان مطالب کو شارع کا کلام سمجھ رکھا ہے. اس شخص کی طرح جس طرح ایک آدمی لیلیٰ مجنوں کا قصہ سنتا ہے اور ہر بات کو اپنی ذات پر محمول کرتا چلا جاتا ہے اور اسے ان لوگوں کے عرف میں اعتبار کہتے ہیں.

غرض انسلاخ اور استہلاک کے مقدمات میں افراط کی حد کو پہنچنا اور ان میں ہر کس وناکس کا مشغول ہوجانا ملتِ مصطفویہؐ میں پرانی بیماری ہے اللہ رحم کرے ہر اس شخص پر جو ان نیکیوں کے جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے. خواہ وہ بعض کے لیئے ذاتی استعداد ہی رکھتے ہوں.

ہر چند یہ بات ہمارے زمانے میں بعض صوفیاء پر گراں ہی گذرتی ہو مگر مجھے جو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق کہہ رہا ہوں ب مجھے عمرو زید سے کو غرض نہیں

تیسری وصیت

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے حق میں اچھا عقیدہ رکھنا چاہیئے اور ان کے مناقب

کے سوا زبان نہ کھولنی چاہیے اس مسئلہ میں دو جماعتوں نے غلطی کی ہے ایک گروہ نے خیال کیا ہے کہ یہ باہم صاف دل تھے اور ان کے وہم و خیال بھی کبھی جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ محض وہم ہے۔ کیونکہ متواتر احادیث۔ ان کے باہمی جھگڑوں پر گواہ ہیں۔ او ان متواتر احادیث کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اور دوسرے گروہ نے جب ان باتوں کو ان کی طرف منسوب دیکھا تو لعن طعن کی زبان کھولی۔ اور ہلاکت کی وادی میں گمراہ ہو گئے۔ اس فقیر کے دل میں یہ ڈالا گیا ہے کہ اگرچہ اصحاب رض معصوم نہ تھے اور ان کے بعض سوام سے ممکن ہے کہ کئی چیزیں ایسی وقوع میں آئی ہوں کہ دوسروں سے اگر ان جیسی ظہور میں آئیں تو طعن و جرح کا موجب بن جائیں۔ لیکن ہم ایک مصلحت کی پابندی کے تحت انکی برائیاں بیان کرنے سے زبان کو روکنے پر مامور ہیں اور انکی جرح اور طعن سے منع کر دیئے گئے ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اگر ان کے حق میں جرح کا دروازہ کھل جائے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت منقطع ہو جاتی ہے اور روایت منقطع ہو جانے میں ملت کی تباہی ہے اور جب ہر صحابی سے روایت لے لی جائے تو اکثر احادیث متواتر بن جاتی ہے اور امت کی پابندی حکم کے لیئے ایک حجت قائم ہو جاتی ہے اور بعض پر جرح اس نقل میں خلل پیدا کر دیتی ہے

اس فقیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ حضور شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اہلبیت کی محبت کے مدعی ہیں اور صحابہ رض کو برا کہتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی کلام کی ایک قسم کے ذریعہ القا فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہو جانا "امام" کے لفظ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے امام کے لفظ میں غور کیا۔ معلوم ہوا کہ امام ان کی اصطلاح میں "معصوم مفترض الطاعۃ منصوب للخلق" (معصوم جسکی اطاعت فرض ہو اور خلق پر مقرر کیا گیا ہو) ہے اور باطنی وحی کو امام کے حق میں تجویز کرتے ہیں۔ پس فی الحقیقۃ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ گویا زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں اور جیسا کہ صحابہ کے حق میں نیک عقیدہ رکھنا چاہیے ایسے ہی اہلبیت کے حق میں بھی معتقد رہنا چاہیے اور ان میں سے صالحین کو مزید تعظیم سے مخصوص سمجھنا چاہیے

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا

(خدا نے ہر ایک شے کی ایک قدر مقرر کر رکھی ہے)

اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ دروازہ امام بعض نسبتوں سے نسبتی قطب ہیں اور تصوف کو

اصلاحِ قلب

پروفیسر سید لعل بادشاہ
جنوبی وزیرستان ایجنسی

حضرتِ انسان

خداوند تعالیٰ نے انسان کو احسنِ تقویم پر تخلیق کرکے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا اور خلافتِ ارضی کے منصب سے نوازا۔ انسان خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر وہ شر کی قوتوں کو تسخیر کرکے مجسم نیکی بنجائے تو پھر روحانی ترقی میں فرشتے سے بھی آگے نکل سکتا ہے۔ چیونٹی سے لیکر فرشتے تک ساری مخلوق اپنی اپنی جبلتوں میں جکڑے ہوئے ہیں لیکن شرف انسان کو حاصل ہے کہ وہ خیر و شر دونوں متضاد قوتوں کا مجموعہ ہے۔ اگر یہ نیکی کی طاقت بڑھالے تو پھر منازل قرب میں وہاں تک پرواز کرسکتا ہے جہاں تک فرشتے کی رسائی بھی نہیں۔ لیکن اگر رذائل میں مبتلا ہوجائے تو اسفل سافلین پست سے پست ترین مقام تک گرجاتا ہے ایسی حالت میں بے شعور جانور سے بھی بدتر حرکات کا مرتکب بن جاتا ہے اولٰئک کالانعام بل اضل ھم

گویا انسانوں کی شکل میں بھیڑیئے اور چیتے پھرتے رہتے ہیں۔ اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ انسان حقیقی معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق بنجائے۔

قلبِ انسان

اس مقصد کیلئے صوفیائے کرام نے قلب کی اصلاح کرنے کیلئے کہا ہے۔ شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزاج دانوں نے یہ نسخہ تجویز کیا ہے جو کہ درحقیقت قرآن پاک اور حدیث پاک ہی سے لیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا

مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

★ اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ہاں مگر اللہ کے پاس جو پاک دل لے کر آئے گا۔

اس طرح حدیث شریف میں آیا ہے

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

★ یعنی جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے (یعنی بدن سے سرزد ہونے والے سارے اعمال صالح ہوتے ہیں) اور اگر یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے ۔سنو وہ انسان کا دل ہے۔

مذکورہ بالا حدیث پاک کی بنا پر ہمیں سب سے پہلے اصلاحِ قلب کی فکر ہونی چاہیے۔ البتہ اعمالِ قلبی جن ضروری اعمالِ ظاہری کا تقاضا کرتے ہیں ان کا بجا لانا بھی ضروری ہے۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ غنی صرف دل کا غنی ہے اور فقر صرف دل کا فقر ہے بظاہر حدیث شریف میں گوشت کے لوتھڑے کا ذکر ہے مگر قلب سے مراد عالم بالا سے تعلق رکھنے والا ایک لطیفہ ربانی ہے جس کا مسکن یہ قلب صنوبری ہے ۔اس حصہ سے گہرا تعلق اور اتصال رکھتا ہے۔

ڈاکٹر کے نزدیک قلب صرف ایک خون پمپ کرنے کی مشین ہے مگر قدرت نے اس کے اندر عظیم باطنی کمالات رکھے ہیں۔ دماغ صرف مادی دنیا کے متعلق علوم دریافت کر سکتا ہے مگر انسانی قلب عالم غیب اور عالم امر تک جھانکنے کی قوت رکھتا ہے۔

سالہا دل طلبِ جام جم از ما می کرد
وآنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد

اِنسان کی تمام خواہشات کا منبع نفس ہے اور نفسانی خیالات اور احساسات کا عکس بھی دل پر پڑتا ہے ۔اِس طرح شیطان بھی ہر وقت دل پر قبضہ جمائے بیٹھا رہتا ہے جب بھی انسان ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے شیطان دِل پر مسلط ہو کر مختلف وسوسے ڈالتا رہتا ہے اس لیے قرآن پاک میں حکم ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

★ یعنی خدا کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

قرآن شریف میں دانشور لوگوں کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے وقت خدا کو یاد کیا کرتے ہیں۔

دل کی حیثیت ایک بادشاہ کی ہے ۔ اور دل کے اعضاء بمنزلہ رعیت کے ہیں۔

اگر جسدِ عنصری کا حاکم آنکھ کو کسی چیز کے دیکھنے کا حکم دے تو آنکھ دیکھتی ہے اگر ہاتھ کو پکڑنے کا حکم دے تو ہاتھ پکڑتی ہے ۔ اسی طرح دیگر اعضاء بھی دل کے محکوم ہیں اور بسر و چشم دل کے احکام پر عمل کرتے ہیں ۔ دل کے اندر سوچنے سمجھنے تصور۔ حافظہ اور تصرف اور توجہ کی قوت ہے ۔ جو خیالات انسانی دماغ میں آتے ہیں ماہرین نفسیات کے مطابق وہ پہلے قلب میں آتے ہیں پھر انسانی دماغ میں آتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کی ساری محنت دل پر صرف ہوتی ہے۔ اس لیئے اہل اللہ کے سینے انوارات و تجلیاتِ باری تعالیٰ سے منور ہوتے ہیں ۔

آں خیالاتیکہ دام اولیاء است
عکس ماہ رویان بستانِ خدا است

(عارف رومی)

بقول مولانا رومؒ عارفین کو انبیاء کے علوم سے حصہ ملجاتا ہے ۔

بینی اندر دل علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

اصلاحِ قلب

دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والوں کے لئے سب سے پہلے اصلاح قلب کی ضرورت ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں اگر صرف علم ظاہری پر اکتفا کر لیا جائے تو تصوف و سلوک کے بغیر دل تاریک ہوتے ہیں۔

دین کے حقائق اور معارف دل میں مجاہدہ سے آتے ہیں ۔ عطر کی شیشی کو جب تک صاف نہ کیا جائے تو اس میں قیمتی سے قیمتی عطر بھی گندہ ہو جاتا ہے ۔

اسی طرح انسانی دل کا تزکیہ ضروری ہے تزکیہ سے پہلے صرف ظاہری علم سے کبر و عجب پیدا ہوتا ہے ۔ انبیاء کے وارثین وہ علماء ہیں جو علوم نبوت اور انوارِ نبوت دونوں کے حامل ہوں مولانا اشرف علی تھانویؒ رسالہ الابقاء میں فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی عبادت تلاوت قرآن مجید ہے لیکن اس کیلئے تزکیہ ضروری ہے جسطرح نماز کیلئے وضو کرنا لازمی ہے اسی طرح قرآن شریف کے حفاظ کرام کیلئے پہلے دل کی اصلاح بھی ضروری ہے ۔ جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو قرآن شریف حلق سے نیچے نہیں اترتا ۔ اس کے انوارات و برکات قلب میں جذب نہیں ہوتے ۔

جہاد کتنی بڑی عبادت ہے ۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے

لیکن کفار سے جہاد جہادِ اصغر ہے اور نفس سے جہاد کو جہادِ اکبر کہتے ہیں — اگر جہاد سے پہلے قلب کا تزکیہ نہ ہو تو اس میں نفس کی آمیزش ضرور ہوتی ہے ایسے مجاہدین بھی ہیں جو نام و نمود اور مال و دولت حاصل کرنے کیلئے جہاد کرتے ہیں۔ یہی حال تبلیغ اور حج کا بھی ہے۔

اگر دل پر شیطان کا قبضہ ہو اور انسان مبلغ بن کر دوسروں کو دین کی دعوت دے اور خود اپنی اصلاح سے بے فکر ہو جائے تو ایسے مبلغین کی دعوت میں اثر نہیں ہوتا۔ حدیث شریف ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمام لوگ نصیحت کرنے والے بن جائیں گے اور عمل والا کوئی نہ ہوگا — اس کے علاوہ قرآن شریف میں ہے

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ

ذِکْرِنَا ——————

یعنی اس شخص کی بات نہ ماننا جس کا دل ہماری یاد سے غافل ہے۔ یعنی جس کا دل ذاکر نہیں وہ غافل ہے۔

بانی تبلیغی جماعت

بقول حضرت مولانا لیاس علم و ذکر کے دو بازوؤں کے بغیر اس میدان میں پرواز کرنا مشکل ہے اسلامی تصوف و سلوک کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے پہلے اپنی اصلاح کی پھر اس کے بعد دوسروں کو دین کی دعوت دی اور تبلیغ کا کام کیا —— امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے گیارہ سال تک دل کی دنیا آباد کی اور اس کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیا جس کی وجہ سے ایک دنیا کو متاثر کیا — یہی حال تمام اولیاء کرام اور مشائخ عظام کا رہا ہے۔ اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ تزکیہ اور اصلاح قلب ضروری ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طریقہ سے اصلاح ممکن ہے —— اصلاحِ قلب کے معنی ہیں خیالات کی اصلاح —— یعنی ایک خیال کو ہٹا کر دوسرا خیال لانا —— یعنی تمام منفی خیالات کو دل سے نکال کر اس کی بجائے مثبت خیالات لانا۔ اصلاحِ باطن کے اماموں کے نزدیک اصلاحِ قلب کا جو مجرب طریقہ ہے اس میں تین چیزیں اصل ہیں۔

۱ —— ارادت

۲ —— صحبت

۳ —— قلبی ذکر

(اگرچہ ان تینوں کے اجزاء کے منافع جدا جدا بھی ہیں) مثلاً ذکر کے بے شمار فوائد ہیں جو بغیر صحبت و ارادت کے بھی حاصل ہوتے ہیں اور صحبت کا نفع بغیر ذکر کے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اصلاحِ قلب کیلئے ان تینوں کا مجموعہ ہی مؤثر ہے۔

بعض علماء ظاہر کے نزدیک اصلاحِ قلب

حاصل کرنے کیلئے نہ کسی روحانی معالج کی ضرورت ہے اور نہ مخصوص طریقہ پر تحقیقی ذکر کی ضرورت ہے بلکہ خود قرآن کریم سے تزکیہ کا طریقہ معلوم کر کے اس پر عمل کریں — یہ نظریہ سلف صالحین کے نظریہ کے خلاف ہے — سلف صالحین اور اصلاح باطن کے اماموں کے نزدیک مذکورہ طریقہ ہی زیادہ مجرب ہے

صحبت اولیاء

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو —

سچوں سے مراد مشائخ صوفیہ ہیں — اولیاء کرام ہیں — اولیاء کی صحبت اور محبت سے دل میں جذب اندرونی پیدا ہوجاتا ہے — خدا کی عشق اور محبت اللہ والوں کی صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے اللہ والوں کے قلوب خدا کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں اور یہی کیفیات ان کے ہمنشینوں میں بھی آ جاتے ہیں بقول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

یقین وایمان کی کیفیات اہل اللہ کے مبارک سینوں سے اللہ تعالیٰ اور انعکاسی عمل کے ذریعے مریدوں کے قلوب میں بھی منتقل ہوتے ہیں

بیعت ارادت

بیعت کا طریقہ سنت ہے

جس طرح کوئی مریض کسی ڈاکٹر کے بغیر اپنا علاج خود نہیں کر سکتا اسی طرح کسی روحانی معالج کے بغیر اپنی روح کا علاج خود کتابیں دیکھ کر نہیں کر سکتا لیکن یہ بھی اصولِ علاج کے خلاف ہے کہ دوائی کا نسخہ کسی ایک ڈاکٹر سے تجویز کیا پرہیز کسی دوسرے ڈاکٹر سے دریافت کی اور غذا معلوم کرنے کے لئے کسی تیسرے ڈاکٹر کے پاس گئے — ایسی صورتِ حال میں مریض ہلاک ہو جائے گا

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لئے مکمل علاج اور مکمل اصلاحِ قلب کے لئے وہی طریقہ صحیح ہے جو گذشتہ زمانے میں آزمایا گیا ہے یعنی ارادت ، صحبت اور قلبی ذکر کا مجموعہ

قلبی ذکر

ذکر دل کی دوا ہے اور غذا بھی ہے

بیمار دل کی دوا ہے اور صحت مند دل کیلئے مقوی قلب خمیرہ ہے۔

ذکر کی دو قسمیں ہیں

ا — ذکرِ عام یعنی لسانی ذکر
۲ — ذکرِ خاص یعنی قلبی ذکر

ذکرِ عام لسانی ذکر اور اوراد و ظائف کو کہتے ہیں

جسمیں قلبی استحضار کی ضرورت نہیں اس کی عام اجازت ہے

دوسرا ذکرِ خاص وہ قلبی ذکر ہے جو بزرگوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ریسرچ کر کے دریافت کی ہو مثلاً ضربات والا ذکر یا ذکر خفی (قلبی ذکر) پاس انفاس مراقبہ وغیرہ

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح گناہ کی وجہ سے دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے یعنی دلوں میں ظلمت آجاتی ہے لکل شئی صقالہ وصقالہ القلوب ذکر اللہ۔

ہر ایک چیز کا میل صاف کرنے کیلئے کوئی چیز ہوتی ہے اور دلوں کا میل (زنگ) دور کرنے کے لیئے ذکرِ الٰہی ہے ذکرِ الٰہی سے دل کی ظلمت دور ہوجاتی ہے۔ تصوف وسلوک میں ذکرِ خاص (یعنی قلبی ذکر کا طریقہ استعمال میں لایا جاتا ہے اس طرح ایک قلیل عرصہ میں روحانی مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔

ضیاء القلوب میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ پاس انفاس کے ذکر سے دل پاک وصاف ہوجاتا ہے اور بغیر پاس انفاس کے مدد کے قلب تاریکیوں اور کدورتوں سے ہرگز پاک نہیں ہوسکتا۔ یہ ذکر قلب کو تمام کدورتوں اور گندگیوں سے صاف وپاک کر کے انوارات الٰہیہ کا مہبط بنا دیتا ہے اسی لیے اسکو اصلاح صوفیہ میں جاریہ قلب کہتے ہیں۔

صفائۃ القلوب میں حضرت محمد ذکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحبتِ نبوی کی برکت سے صحابہ کرام کے رگ وریشہ میں ذکرِ جاریہ وساری تھا لیکن اب پاس انفاس ایسا شغل ہے جس کی برکت سے وہی کیفیت بڑی آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے ذکرِ خاص قلبی ذکر ہوتا ہے اور اس کے اثرات قلب وروح پر بہت گہرے مرتب ہوتے ہیں اور روح بہت جلد شفایاب ہوتی ہے اور مختصر عرصہ میں وہ روحانی قوت آجاتی ہے کہ جس کا تصور بھی ایک عام آدمی نہیں کرسکتا۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ذکر خفی (قلبی ذکر) لسانی ذکر پر ستر گناہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

اشغال صوفیہ بدعت نہیں

مجاہدات و ریاضیات

صوفیہ کے بارے میں حضرت محمد ذکریاؒ فرماتے ہیں اپنی کتاب شریعت وطریقت کا تلازم صفحہ ۱۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کی زیارت ہی مرتبۂ احسان حاصل کرنے کیلئے کافی تھی اور جتنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو بعد ہوتا گیا اتنا ہی نسبتِ احسان میں کمی آتی گئی اور اطباء روحانی کو ان کے معالجات کیلئے روحانی دوائیں تجویز کرنی

پڑیں - بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت ہوئے خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے لیئے اولیاء طریقت نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر یعنی حکم زمانہ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے - گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں - پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت آفتاب رسالت طلوع کیے ہوئے تھا کچھ حاجت اشغال کی حضور اللہ کے لیئے نہ تھی فقط ایک نظر ڈالنے سے [illegible] وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا کہ اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا - اب چونکہ آفتاب رسالت غروب ہوا اس لیئے ان اشغال کی حاجت ہوئی حضورِ قلب حاصل کرنے کی وجہ آگے صفحہ نمبر ۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ کہ یہ سب کے سب امراض کے علاج ہیں تو یہ مطالبہ کرنا کہ فلاں طریق قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی طبیب سے پوچھا جائے کہ گل بنفشہ زکام میں دینا کس حدیث سے ثابت ہے - ایسے ہی کسی ڈاکٹر سے پوچھا جائے کہ پنسلین کونسی آیت سے ثابت ہے - جو لوگ انکو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں - بدعت احداث فی الدین کا نام ہے احداث للدین کا نام نہیں -

جو کوئی ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتا وہ دین سے ناواقف ہے۔

پاس انفاس کا طریقہ

لفظ مبارک اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور ہو کے ساتھ سانس چھوڑ دے - یعنی سانس لیتے وقت یہ تصور کرے کہ دل سے لفظ اللہ نکل رہا ہے اور سانس واپس کرنے میں ہو کی ضرب دل پہ لگائے - چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے پاک کر کے انوار الٰہیہ کا مہبط بنا دیتا ہے اس لیئے اصطلاح صوفیہ میں اس کو جاروب قلب کہتے ہیں - بزرگوں نے ریسرچ کر کے دل کو ذاکر بنانے کیلئے یہ طریقہ نکالا ہے اور تجربہ نے اس کو بڑا مؤثر ثابت کر دیا - ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ میں بھی اس طریقہ پر صبح و شام ذکر کیا جاتا ہے -

اس طریقے سے بہت جلد دل جاری ہو جاتا ہے آخر میں حضرت المکرم قلزم فیوضات مولینا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دلائل سلوک سے اقتباس پیش کر کے اختصار کرتا ہوں دلائل سلوک صفحہ ۳۰۴

"فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ سلوک کے وہ منازل ہیں کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے حصول کیلئے کوشاں ہیں مگر یہ منازل صرف زبانی اوراد اور وظائف سے حاصل نہیں ہوتے - یہ قلب و روح کا معاملہ ہے - صرف ذکر لسانی

رحمتِ حق بہانہ می جوید!

(   )

قابلِ صد احترام مولانا اکرام صاحب !

السلام علیکم !

عمر کے اٹھائیس سال ہونے کو آئے جانے اس دوران کتنے گناہ سرزد ہوئے ہونگے ۔ احکام دین کی کس قدر حکم عدولی کی ہو گی ۔ اب تو ندامت سے نگاہیں بھی اوپر نہیں اٹھتیں گناہ ایک ایسی آکاش بیل ہے جو آدمی کے جسم سے لپٹتی ہے تو اپنی شاخیں دراز سے دراز کرتی چلی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ انسان کے دل و دماغ اور سوچوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے پھر دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں اور لغزشِ پا مقدر بنجاتی ہے ۔

مگر جب کسی وجہ سے یا کسی واقعے سے انسان کا ضمیر تھوڑا سا جاگتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کیوں ہوا ۔ پھر انسان اس گناہ کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اس آکاش بیل کی شاخوں سے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے مگر ان کی جکڑ کے سامنے اپنے آپکو بے بس پاتا ہے ۔ تب ایسے میں کسی مرد مومن کی نگاہ کی ضرورت پڑتی ہے جو یہ زنجیریں کاٹ کر رکھدے اور دل پر لگی مہریں مٹا کر زندگی کو صراطِ مستقیم پر ڈالے ۔

کچھ ایسے ہی احساسات آج میرے ہیں ۔ میں نے آپ کا رسالہ "المرشد" پڑھا تو بے اختیار دل تڑپا اور جان کانپی ۔ سوچوں پر چھائی ہوئی دھند چھٹی تو محسوس ہوا کہ یہ ستارہ میری رہنمائی کر سکتا ہے مجھے روشنی دلا سکتا ہے مرشدِ محترم ! رسالے کا چندہ سالانہ الگ سے بھیج رہا ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ عاجز و مسکین بندہ آپ کی "ذاتی رہنمائی" کا طلبگار ہے ۔ آپ کی نظرِ کرم کا سوالی ہے ۔ یہ آنکھیں گناہوں کے مناظر دیکھتے دیکھتے تھک گئیں ہیں ۔ اب ذرا دھند چھٹی ہے تو انہیں سنبھال لیجئے ۔ اس گنہ گار کا قبلہ درست فرما دیجئے ۔ محبتیں توجہ کی منتظر ہیں پذیرائی بخشئے !

حکم فرمائیے کہ ناچیز آپ کی رہنمائی حاصل کرنے کے لیئے کیا کرے ۔؟

شاعری سے تھوڑا بہت شغف ہونے کے ناطے یہ چند اشعار بھی میرے احوالِ دل بیان کرنے میں مدد دیں گے

مرے خدا، تیری تعریف کس زبان سے ہو
کہ خد و خال پہ اعتبار ہے نہ شمار
تری صفات سے البتہ جانتے ہیں تجھے
وگرنہ کیا مری ہستی، کہاں ترا معیار
بنائے عجز حکایت مرے جنون کی ہے
فنائے ہجر پریشاں، بقائے وصلِ بہار
شعارِ نفس کی ریشہ دوانیوں کے سبب
امڈ رہا ہے یہاں بے شباہتی کا غبار
حریمِ شوق میں سجدے تڑپ رہے ہیں مگر
جو تیرا در نہ ملے پھر کہاں کا صبر و قرار
بڑے یقین سے آنکھیں اٹھی ہیں تیری طرف
بڑے وثوق سے کی ہے مری نظر نے پکار
جو معصیت میں گزری، گزر گئی لیکن
جو بچ گئی ہے اسے اپنی رحمتوں سے سنوار
زمانہ ہاتھ میں پتھر اٹھائے پھرتا ہے
یہ سارے دکھ کے مناظر ہمارے گھر سے اتار
اُدھیں موم سی چاہت ہے اور دھوپ ہے تیز
مرے خدا، مرے جذبوں کو ٹھنڈکوں سے نکھار

مرشد جی! سارا حال بیان کر دیا ہے۔ اب تو اس عاجز کو سنبھال لیجئے۔ آپ کے حوالے سے یوم حشر میری کوئی نسبت ٹھہرے تو میں اپنے آپکو بے حد خوش نصیب سمجھوں گا۔

فی امان اللہ

آپکی توجہ کا طالب

ناچیز

۲۱/۷/۸۶

دورۂ گلگت

۲۳ ستمبر سے یکم اکتوبر ۸۶ء تک ۲۳/۲۴ کی رات قیام منگ اور واپسی پر ایک رات یعنی ۳۰ ستمبر / یکم اکتوبر ایبٹ آباد میں قیام ہو گا!

ایک دروازہ جو کبھی بند نہیں ہوتا

حافظ عبدالرزاق

انسان کے اندر اور انسان کے باہر سینکڑوں مطالبات ہیں جو اس کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کے اندر سب سے بڑے مظہر ابلیس یعنی نفس کی قوتِ قاہرہ کا دستِ طلب بڑھا ہوا ہے اور وہ ہر دم اور ہر لمحے اس کی ہر شے کو اس سے مانگ رہا ہے تاکہ اس کو خدا کی جگہ اپنا لے۔ باہر دیکھتا ہے تو محبوباتِ زندگی اور مسالکِ حیات کے دام قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں اور وہ جس طرف جاتا ہے اس سے اس کا قلب اور دماغ مانگا جاتا ہے تاکہ اس کو خدا سے چھین لیں۔ جذبات اور

المرشد اور آپ

اگر آپ "المرشد" کی اشاعت میں دلچسپی لیں اور اپنے دو دوستوں کے نام سے زرِ مبادلہ بھجوا دیں یا انہیں اس طرف متوجہ فرمائیں تو "المرشد" کی اشاعت بڑھ سکتی ہے اور ہم اِس کا معیار بہتر کر سکتے ہیں۔ "المرشد" کے مضامین دل و نگاہ کی دنیا میں انقلاب کا سبب بن سکتے ہیں لہٰذا اس کی اشاعت میں تعاون کر کے اجرِ عظیم حاصل کریں۔

"ادارہ"

نوٹ: خریداری کوپن صفحہ کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خواہشوں کی فوجوں نے اس کے دماغ کا محاصرہ کرلیا ہے اور آزمائشوں اور امتحانوں کی کثرت سے اس کا ضمیر اور دل ایک دائمی شکست سے مجبور ہے اہل وعیال، عزت وجاہ، مال و دولت اور وہ تمام چیزیں جنکو قرآن زینت حیات سے تعبیر کرتا ہے اس کے کمزور دل کے لیئے ایک ایسا پرکشش سوال رکھتی ہیں جس کو رد کرنا اس کے لیئے سب سے بڑی آزمائش ہوجاتا ہے۔

پس انقیادِ اسلامی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی جنس دل وجان کے بہت سے خریدار نہ بنلائے بلکہ ایک ہی خریدار سے معاملہ کرے۔ وہ ان مانگنے والوں سے جن کے ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہوئے ہیں اپنے تیئں بچالے۔ اور صرف ایک ہاتھ کو دیکھے جو باوجود اس کی طرح طرح کی بے وفائیوں کے پھر بھی وفائے محبت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا ہوا ہے اور گو اس نے اپنی متاع دل وجان کو کتنا ہی ناقص اور خراب کردیا ہو لیکن پھر بھی بہتر سے بہتر قیمت دیکر خریدنے کے لیے موجود ہے اور صدائے محبت من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا (جو میری طرف ایک بالشت بڑھتے ہیں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں) سے ہر آن اور

مکرمی ایڈیٹر "المرشد"

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

مندرجہ ذیل احباب کے نام المرشد بھجوادیں، رقم بذریعہ ڈرافٹ بھجوا رہا ہوں۔

۱۔ نام ______________________

پتہ ______________________

۲۔ نام ______________________

پتہ ______________________

نوٹ: جملہ ڈرافٹ "المرشد" اکاونٹ پی ایل ایس نمبر ۲۴۹۱ مسلم کمرشل بنک ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ میں بھجوائیے (شکریہ)

ہر لحظہ عشق نواز ہے۔ خواہ کتنی پیماں شکنیاں کرے خواہ تم تمام عمر اسے کتنا ہی روٹھا ہوا رکھو لیکن اگر انابت اور اضطرار کا ایک آنسو بھی سفارش کے لیئے ساتھ لیجاؤ تو وہ پھر بھی سننے کے لیئے تیار ہے اور جس کے دروازے سے خواہ کتنا ہی بھاگو لیکن پھر بھی اگر شوق کا ایک قدم بڑھاؤ تو وہ دو قدم آگے بڑھ کر تمہیں لینے کے لیئے منتظر ہے۔ جس کا دروازۂ قبولیت کبھی بند نہیں ہوا اور جس کے یہاں مایوسی سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں۔

بقیہ تین نصیحتیں

ان کی مدت ختم ہونے کے بعد رواج حاصل ہوا ہے لیکن شریعت اور عقیدت کو پیغمبر کی حدیث کے سوا کہیں سے نہیں لیا جا سکتا۔ ان کی قطبیت ایک باطنی معاملہ ہے۔ شرعی تکلیف سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور اشارہ دوسرے (بعد میں) آنے والے پر اسی قطبیت کے اعتبار سے ہے اور امانت کے رموز بھی جو ان لوگوں کے بیان کردہ ہیں، اسی قطبیت کی طرف راجع ہیں جن پر اپنے بعض خالص یاروں کو انہوں نے مطلع کیا ہے۔ پھر ایک مدت بعد ایک گروہ نے زیادہ غور و تعمق سے کام لیکر ان باتوں کو کسی اور سانچے میں ڈھال لیا۔

واللہ المستعان

بقیہ اصلاح قلب

ذکر سے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ باطن نہیں ہو پاتا بلکہ ان منازل کے حصول کے لیئے دوسری شرائط ہیں۔ سب سے پہلے اصلاحِ قلب کی ضرورت ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ ذکرِ قلبی کثرت سے کیا جائے۔ اتباعِ شریعت اور اتباعِ سنت کا اہتمام کیا جائے۔ اصلاحِ قلب ایسا کمال ہے جو شیخِ کامل کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے

مولوی ہرگز نشد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نشد

(مولانا رومی)

المرشد محرم ۱۴۰۷ھ کا پرچہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ نے اس سال کا زرِ مبادلہ یعنی ۵۰/ روپے ادا کر دیا ہے۔ اگر نہیں تو کارِ خیر میں دیر کس بات کی ہے؟ کہیں وی پی پی کا انتظار تو نہیں۔

دلِ مجبور کی باتیں

اللہ بخش زاہد

انسانوں کے اس عجائب خانہ میں ہر آدمی اپنی اپنی دُھن پر عروج و سکون کی تلاش میں ہے۔ اور یہ اس کی فطرت بھی ہے بقول تعالےٰ، اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ لیکن پسند اور سوچ کا پیمانہ مختلف ہونے کی وجہ سے منزلِ مقصود بھی مختلف ہے۔ کسی کو اپنی کامیابی اور اطمینان زیادہ سے زیادہ دولت کمانے میں محسوس ہوتا ہے تو کوئی دوسرا لوگوں سے اپنی برتری منوانے کا شیدائی ہے۔ کچھ لوگ شہرت پسندی کی وجہ سے اپنی Advertisement کے لئے بے دریغ محنت کر رہے ہیں تو قناعت پسندوں اور خلوت نشینوں میں سکھ کے سانس لینے والوں کا وجود بھی ملتا ہے۔

فطرتِ انسانی کے مذکورہ بالا دستور کی رو میں یہ بندۂ ناچیز بھی چھ ماہ قبل دارالعرفان سے دو ماہ کی چھٹی برائے cotton Seasonal bussiness منظور کروانے میں کامیاب ہو گیا لیکن عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد کاروباری مصروفیات دن بدن بڑھتی گئیں۔ آمدنی میں اضافہ ہوتا گیا۔ ادھر رخصت ختم ہو چکنے کے باوجود حاضر ہونا مشکل ہو گیا اور A.W.L ملازمین کی فہرست میں زندگی نے قدم رکھا۔

اس لئے تو دنیا کی مثال ایک نرم و ملائم اور خوبصورت اژدہا سے دی گئی ہے اس کی بھی ظاہری چمک دمک بنی نوع انسان کے لئے اس کی حقیقت سمجھنے کی راہ میں بہت بڑا پردہ ہے جس طرح ایک کمسن بچہ سانپ کے اندرونی زہر سے ناواقفیت کے سبب اسے دیکھنے پکڑنے اور حاصل کرنے کی طلب کرتا ہے۔ البتہ عقل معاد سے قاصر افراد

پوری پوری زندگی عقلِ معاش کی راہنمائی میں خرچ کر دیتے ہیں۔ سرمایہ اخروی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے اور انجام کار دمِ واپسیں حسرت و یاس کے سوا کچھ ساتھ نہیں لے جاتے۔

لیکن الحمدُ لِلّٰہ رب کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس خطاکار کو اپنی غیر حاضری کے پہلے ماہ ہی ان ہر دو افواج (عقلِ معاد اور عقلِ معاش) کی باہمی رسہ کشی کی نعمت ہر سانس میں نصیب ہو گئی اور غفلت کے موذی مرض کا شکار ہونے سے بچ گیا اور ارشادِ ربانی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ مدِ نظر رہنے لگا۔ حالت کچھ ایسی بننے لگی کہ مرئی جسم تو کاروبار کی کرسی پر ہے اور قلب و دماغ اپنے معطل کردہ شغلِ تالیف پر پشیمانی و حسرت کے آنسو بہانے کی غرض سے کتب خانہ کے روزن بن گئے۔

انہی دنوں جماعت کے ایک مخلص ساتھی صاحب کشف کی معرفت پتہ چلا کہ اس خاکسار کے سر پہ تاج ہے اور اسے اپنے ہاتھوں اُتار کر رکھتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اب بات گو کشفی تھی لیکن ظاہر کے ساتھ اس کا تعلق بھی واضح تھا۔ اس کے باوجود بذریعہ خط حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی سے تعبیر کی درخواست کی — ارشاد ہوا کہ دارالعرفان کی خدمات اور جو شغل یہاں بندہ کے ذمہ تھا یہ کسی بھی دنیاوی سلطنت سے کم نہیں تھا۔

خط کا یہ جواب پڑھنے کے بعد دلائل قلبی کے اخروی آلات کارزار کا مقابلہ کرنا دنیوی سفلی خواہشات کے بس کا روگ نہ رہا کیونکہ اس دارِ فانی میں چند روزہ آرام و آسائش، آمدنی میں زیادتی، عزیز و اقارب میں ہم نشینی اور وطن میں زندگی کی خواہش وغیرہ فی نفسہٖ عارضی اور غیر یقینی ہیں جنہیں پیامِ اجل کسی بھی لمحے منقطع کر سکتا ہے۔

کبھی کبھار غور و فکر کی وادی میں اگر دُور تک نکل جاتا تو آیت پاک مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ کے مفہوم میں دل سے شہادت ملتی کہ بندہ کو تالیفِ مسائل کا عظیم انعام میسر ہے۔ اعلیحضرت استاذنا المکرم رحمۃ اللہ علیہ کے منتخب فرمودہ ضروری مسائل جمع کرنے کی سعادت من اللہ نصیب ہوئی تھی۔ فتح الباری شریف کی تیرہ جلدیں مکمل ہو چکی تھیں اور تفسیر کبیر کی پانچویں جلد میں کام ہو رہا تھا کہ قلم کا تسلسل قائم نہ رہا اس طرح یہ صدقہ جاریہ کا سلسلہ تعطل کا شکار ہو گیا اور اس کی بجائے اوقات کا مصرف متاع الدنیا قلیل کے حصول میں کرتے رہنا کسی طرح بھی خسرانِ مبین سے کم نہیں تھا ضمیر مسلسل سرزنش کرتا رہتا اور اس کے تازیانوں میں

اور زیادہ شدت آجاتی جب مجھے اپنی ماضی کی وہ دعائیں، درخواستیں اور تمنائیں یاد پڑتیں کہ اے باری تعالیٰ کالج و یونیورسٹی کی تعلیم و ڈگریوں سے زیادہ علم دین کا خواہاں ہوں، تو ہر بات پر قادر ہے مجھے ایسے حالات و ماحول فراہم فرما دے جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے تعلیم فرمودہ اخبار و علوم ہر وقت قلب و گوش کی غذا بنتے رہیں۔ نیز یہ کہ ظاہر سے زیادہ باطنی اصلاح کے اسباب میسر ہوں۔

نظامِ قدرت ہے کہ ہر آن ہر آدمی کی ہر ضرورت پوری کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کام کا ظاہر ہونا یا وقوع پذیر ہونا (زمان و مکان کے لحاظ سے) مشیت ایزدی کا تابع ہے۔

ستمبر ۸۴ء کے مبارک ایام تھے کہ اس عاجز کی حسبِ تمنا تعمیر و اصلاح کا سامان غائبانہ طور پہ فرما دیا گیا کہ مرکز دارالعرفان میں کتب خانہ کا چارج لینے کا حکم ملا۔ قلب اپنے ربِ کریم کے حضور سجود و شکرانہ میں مصروف ہو گیا۔ ہر خواہش پوری ہو رہی تھی۔ ہر خواب کی تعبیر سامنے تھی۔ پروازِ تخیل سے کہیں زیادہ کتابیں موجود، حضرت جیؒ کے تحریر فرمودہ حاشیہ جات و ارشادات کا خزینہ، حضرت شیخ المکرم کی صحبت نصیب ۔ سبحان اللہ ۔۔۔۔

بقول کسے ۔

ہر شب شبِ قدر است گر قدر بدانی

ایک طویل عرصہ یعنی ستمبر ۸۴ء تا نومبر ۸۵ء مسلسل صحبتِ شیخ میں جو کچھ حالات، واقعات، تجربات اور دید و شنید سے حقائق اخذ کیے ان کے باعث دل تو حضرت کی صداقت اور علو مقامی کا گرویدہ ہو ہی چکا تھا اب زبان و قلم بھی حضرت مولانا کے مستحق جانشینی ہونے کا اظہار ہر حال کرنے لگے ہر نیا طلوع ہونے والا سورج حضرت کی ذات کیلئے جہدِ مسلسل اور تکمیلِ اکمل کا پیغام ساتھ لایا کرتا۔

اور اب آیئے اس خطاکار کی دارالعرفان سے غیر حاضری کے موضوع کی طرف جو کہ چھ ماہ کچھ اس طرح تقسیم ہوئے کہ دو ماہ تو منظور شدہ چھٹی تھی اس کے بعد دو ماہ لاہوتی اور طاغوتی قوتوں کے مابین تماشا ہوتا رہا اور آخری دو مہینے گھر میں بیماری کے ohendacetic oheration باعث رک دیا گیا۔ رمضان المبارک کا برکات بھرا مہینہ تشریف لایا اس ماہ میں رحمتِ خداوندی درجہ کمال پہ ہوتی ہے عنایاتِ باری تعالیٰ ہر شخص کیلئے عام فرما دی جاتی ہیں۔ حضرت المکرم کی معیت میں نماز تراویح اور ختم قرآن سننے کے شوق سے تیس شعبان کو دارالعرفان حاضر ہو گیا۔ اور ایک بار پھر از سرِ نو حضرت کی مشفقانہ اور فراست آمیز محفلوں نے چھ ماہ پیچھے دھکیل دیا۔ ماضی کی پُرکیف روحانی نشستوں کی یاد تازہ کر دی اور نتیجۃً ایسے

ماحول سے دُور رہنا دشوار ہو گیا، صیامِ رمضان کا عدد پانچ تک پہنچا تھا کہ شیخ المکرم مدظلہ العالی کے حضور اپنی بحالی کی عرضداشت کی۔ سابقہ سوچ سے رجوع اختیار کیا اور نہایت ادب کے ساتھ دامنِ معذرت دراز کر دیا جسے اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رحیمی کے سایہ میں قبول فرما لیا گیا۔

اس پورے غیر حاضری و فرار کے Operation میں جو ردِ عمل حضرت شیخ کی ذاتِ والا صفات سے نصیب ہوا ہے یہ بے حد و حساب وسعت و عنایت اللہ کریم نے اُنہی کا حصہ بنائی ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں اپنے حبیب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے ہر بُنِ مو سے ہر آن حضرت کی استقامت، ترقی مقامات اور درازیٔ عمر کے لئے دست بدعا ہوں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ متوسلینِ سلسلہ کو تادیر نصیب رکھے۔ بہت خوب کہا محبوب جنجوعہ صاحب نے ؎

گڑ گڑا ڈسب رب دے اگے، منگوا ایہہ دعائیں
عمر خضر دی دے ربا حضرت اکرم تائیں

ہفت روزہ رُوحانی تربیتی پروگرام
۱۹۸۶ء

۱۷ سے ۱۹ ستمبر دارالعرفان میں سہ روزہ اجتماع ہو گا، تمام احباب کو دعوتِ شرکت ہے۔

اس سال کا آٹھواں پروگرام ۱۲ سے ۱۹ ستمبر
〃 〃 نواں پروگرام ۱۰ سے ۱۷ اکتوبر
〃 〃 دسواں پروگرام ۱۴ سے ۲۱ نومبر

ایک دن قبل دارالعرفان پہنچ جائیں
امیر حلقہ سے تعارفی خط ہمراہ لانا بھولیے گا

اجتماع لنگر مخدوم
۲۳ سے ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۲۳ اکتوبر بروز جمعرات شام تک سرگودھا بس اڈہ پر احباب کی آمد کا انتظار ہو گا۔ آخری بس لنگر مخدوم کے لئے شام ۵ بجے روانہ ہو گی۔

۲۵ اکتوبر کوٹ میانہ، ۲۶ اکتوبر سرگودھا، ۲۷ بھکر بار اور ۲۸ کو منارہ واپسی ہو گی۔

حکمتِ قرآنی

نوعِ انسانی کی باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے تھے سب انسانوں کے ہاتھوں ٹوٹ چکے — سب کی نسل ایک تھی مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں — سب کی وطنیت تھی لیکن سینکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے سب کا درجہ ایک تھا لیکن امیر، غریب شریف، وضیع اور ادنیٰ و اعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لیئے گئے ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آسکتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ — خدا پرستی کا رشتہ — یہی ایک رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر دے سکتا ہے یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک ہی چوکھٹ پر جھکنے چاہیئں۔ اور اس اعتقاد اور اس کی چوکھٹ پر سر رکھ دینے کا سلیقہ پروردگار کے آخری نمائندے رحمۃ للعالمینؐ ہی سے سیکھیں تو ایک جہتی اور یگانگت کا ایسا جذبہ پیدا ہو کر ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آسکیں۔